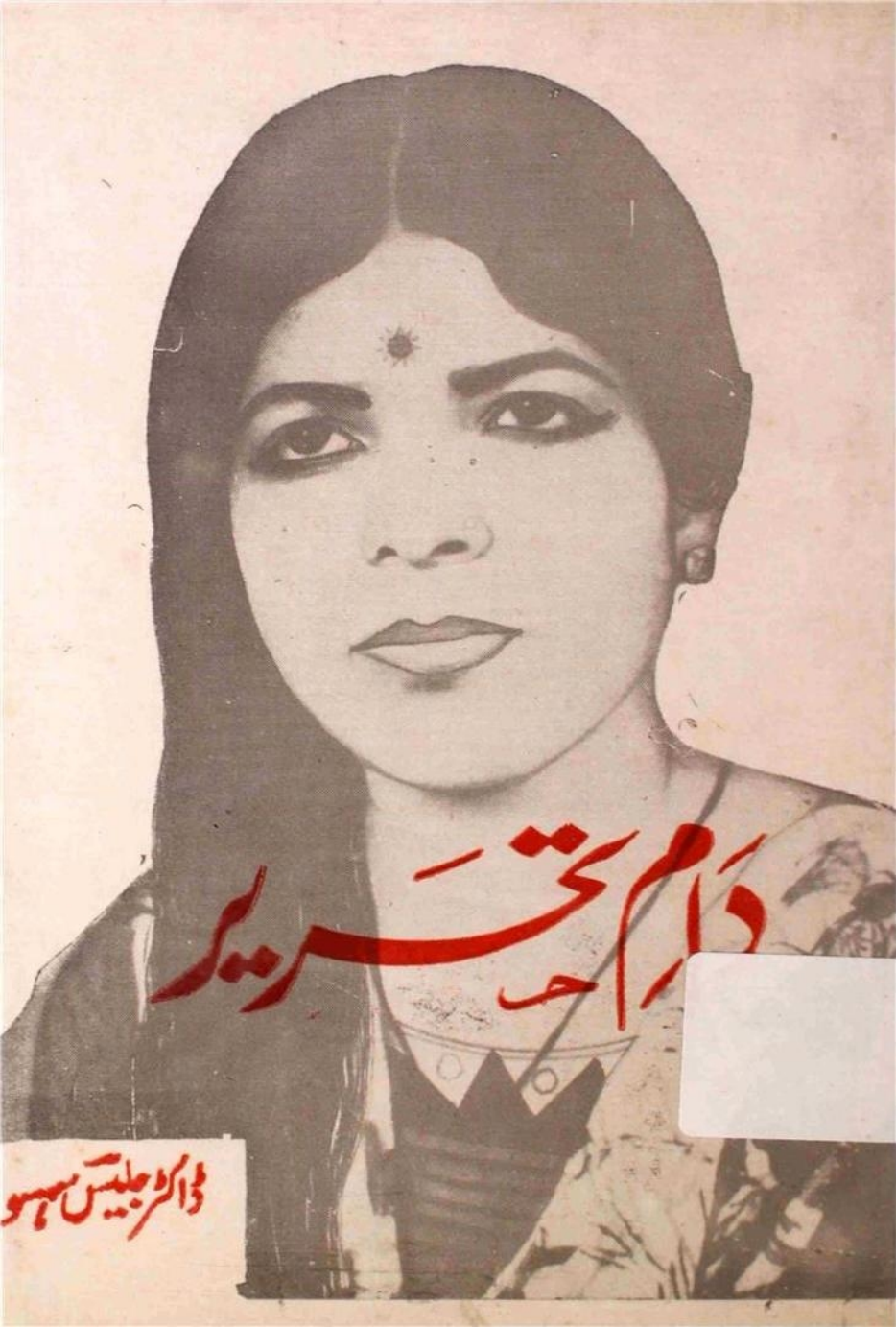

دامِ تحریر

ڈاکٹر جلیس سہو

ڈاکٹر جلیس سہسوانی

کر رہی ہوں ——— اور ہاں! ایک صاحبہ ہیں نسرین بیگم، ان کا حکم ہے میں زرِ مبادلہ آپ کو بھیج کر انھیں "گل فشاں" کا خریدار بنا دوں۔ پتہ ہے:۔ مسز نسرین بیگم، ٹی منزل میاں بازار دگورکھپور)

دوسری صاحبہ ہیں مس شہناز۔ یہ خط و کتابت کی ترسیل کے معاملے میں بے حد تساہل پسند ہیں۔ فرماتی ہیں میں آپ کو اِن کی خریداری کے متعلق وی پی کیلئے لکھ دوں، یہ بہت دنوں سے "گلفشاں" کی خریداری قبول کرنے کی نسبت سوچ رہی تھیں۔ ان کا پتہ ہے:۔ مس شہناز، این وائی اسکول بھواشہید دگورکھپور)

اِن محترمہ کو ادب سے اچھی دلچسپی ہے۔ غزل بھی کہتی ہیں۔ زحمت نہ ہو اور مناسب سمجھیں تو اِن سے خط و کتابت کر لیجئے گا۔ ہمارے یہاں ڈی ایم صاحب ادب پرست ہیں اُنھیں "گلفشاں" پیش کر کے احساس دلاؤں گی۔ یہ والد صاحب کے قدرداں ہیں لیکن بُرا ہو اِس مشغولیت کا، اپنے دام سے نکلنے ہی نہیں دیتی۔ میں ایک نسرسری میں نو بجے سے ایک بجے تک بچّوں کو پڑھاتی ہوں۔ اور خود بھی اُردو میں ایم اے فائنل کی طالبہ ہوں گھریلو ذمّہ داریاں بھی ہیں۔ اس لئے کوشش میں کوتاہی ہو جاتی ہے ——— اچھا اجازت!

فقط والسّلام ——— یاسمین ضیاؔ

زیدیؔ نے یاسمینؔ کا خط پڑھنے کے بعد میز سے قلم اٹھایا اور لکھا۔

محترمہ! تسلیم و نیاز

آپ کا خط ملا۔ تعاون فرمائی کے لئے ممنون ہوں۔ حکم کی تعمیل میں مس شہنازؔ صاحبہ کو بذریعے وی پی "گلفشاں" ارسال کر دیا جائے گا۔ اور کوئی خدمت؟

مخلص:۔ انجم زیدی

THIS EBOOK IS DOWNLOADED FROM
SHAAHISHAYARI.COM

LARGEST COLLECTION OF URDU
SHERS, GHAZALS, NAZMS AND EBOOKS.

"اور مجھے بھی خوشی ہوئی ـــــ بے حد خوشی! ایک دیرینہ تمنّا جو پوری ہو گئی۔" اُس نے رومال سے چہرہ صاف کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں! ـــ" یاسمین نے سر ہلایا ـــ "کوئی اپنا شعر یا تازہ غزل سُنائیے! دل چاہ رہا ہے آپ سے سُنوں!"

"تم نے شعر یا غزل کہنے کی مہلت ہی کب دی ـــ اور جب سامنے مجسّم غزل ہو تو شعر کون کہتا ہے!" اُس نے یہ کہہ کر یاسمین کی طرف دیکھا۔ اُس نے اِس طرح نظریں جھکا لی تھیں جیسے کسی گہرے خیال میں کھو گئی ہو۔ کچھ لمحوں بعد اُس نے گردن اُٹھائی تھی ـــ "مجھے اس کا اعتراف ہی نہیں، احساس ہے آپ یہاں تک میری وجہ سے آئے ہیں ـــ آپ کو جو تکلیف پہنچی اُس کے لئے بہت ممنون ہوں۔ دراصل انجم صاحب! میں عشق ایک کشش ہے۔" اس موضوع پر پی ایچ ڈی کرنے کے لئے مقالہ لکھ رہی تھی۔" اتنا کہہ کر اُس نے گہری سانس لے کر انجم زیدی کو دیکھا اور پلکیں جھکائے جھکائے بولی ـــ "میں یہ دیکھنا چاہتی تھی کیا سچ مچ عشق ایک کشش ہے یا خود کو بہلانے کا مشغلہ! اب آپ کے آنے سے ثابت ہو گیا، یقیناً عشق ایک کشش کا نام ہے۔ میرا مقالہ پورا ہو گیا۔ میں آپ کی اِس قربانی کے لئے دل سے ممنون ہوں۔"

یاسمین خاموش ہو گئی اور زیدی کے مُنہ سے ایک آہ نکل گئی ـــ اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے اُس کے اندر کی چیزیں ٹوٹ کر اِدھر اُدھر بکھر رہی ہوں۔ وہ اب یہاں سے کبھی نہ اُٹھ سکے گا۔

کچھ دیر تک وہ اِسی جان لیوا کیفیت کے عالم میں تڑپتا رہا۔ اور اِسی حالت میں کھڑا ہو گیا۔ ایک بار یاس بھری نظریں یاسمین پر ڈالیں اور آہستہ سے بولا ـــ "اتنی شدید محبّت کا ڈرامہ کرنے والی بے وفا بھی ہو سکتی ہے یہ میں نے کبھی خیال بھی نہ کیا تھا ـــ اُف! "دامِ تحریر" یہ نام ہے تمہاری محبّت کا ـــ تمہاری کہانی کا، جس کا مواد تمہارے خطوط ہوں گے ـــ شکریہ!

اور زیدی تھکے تھکے قدموں کے ساتھ ماحول کی گھٹن سے بچنے کے لئے کمرے سے باہر نکل آیا ـــ!!

پھیلتے اندھیرے

یہ ڈاکٹر جلیس سہسوانی کی

نئی، اچھوتی، دلچسپ، دلکش اور دل کو موہ لینے والی بے حد خوبصورت انداز تحریر پر مبنی ناول ہے۔ جس کے بارے میں پروفیسر ڈاکٹر مسعود حسین خاں فرماتے ہیں ــــــ

"آج ہمارا ناول نگار افسانہ تراشنے کی ہلگت میں حقیقت کو اکثر بھول جاتا ہے۔ وہ بیشتر مغربی ناول کا نقال بن کر سامنے آتا ہے۔ اِس لئے کہ خود اُس کی گرہ میں کچھ نہیں ہوتا۔ مجھے اِس بات کی خوشی ہے کہ "پھیلتے اندھیرے" کا خالق تمام تر اپنی گرہ سے نکالتا ہے۔ اس لئے کہ اُس کو اپنی زمین اور سماج سے گہرا رشتہ ہے۔"

اِس مجلّد خوبصورت ناول کو حاصل کرنے کے لئے پتہ ذیل پر خط و کتابت فرمائیں۔

گل کدہ پبلی کیشنز، رستم ٹولہ، سہسوان (بدایوں) ۲۴۳۶۴۰ یو۔ پی

موم کا پتھر

یہ ڈاکٹر جلیس سہسوانی کی

بے حد مقبول، دلچسپ، اصلاحی، مقصدی اور دل

میں ہیجان پیدا کرنے والی ناول ہے۔ جس پر ملک کے بہت

سے مشاہیر اہلِ قلم نے اپنے تاثرات کا اظہار فرمایا ہے۔

اور اُتر پردیش اُردو اکاڈمی کے مالی تعاون سے شائع

ہوئی ہے۔ اس مجلّد اور خوبصورت دو رنگ کے سرورق کی

آراستہ کتاب کی رعایتی قیمت مبلغ پانچ رُوپے ہے۔

ملنے کا پتہ

گل کدہ پبلی کیشنز، رستم ٹولہ، سہسوان (بدایوں) ۲۴۳۶۳۸ یو۔پی

ناول میں استعمال ہونے والے اشعار کے شعراء کے نام

- ثاقب بدایونی
- جلیس سہسوانی
- مہدی پرتاپ گڑھی
- ثمینہ ادیب ضیاء
- ہندی گورکھپوری
- مرزا اسد اللہ خاں غالب
- مولانا حسرت موہانی
- مرتضیٰ خوشتر
- شکیل بدایونی
- برکھا رانی لکھنوی
- رخسانہ الفت
- آسی رامنگری
- جگر مرادآبادی
- راشد صدیقی
- شمیم جے پوری
- علامہ اقبال
- رحمی دہلوی
- زیب النساء مخفی
- نظر بھاگلپوری
- علامہ سیماب اکبرآبادی
- میر تقی میر
- نامعلوم

بجھتے چراغ، موم کا پتھر، پھیلتے اندھیرے، اور دامِ تحریر کے مصنف ڈاکٹر جلیس سہسوانی

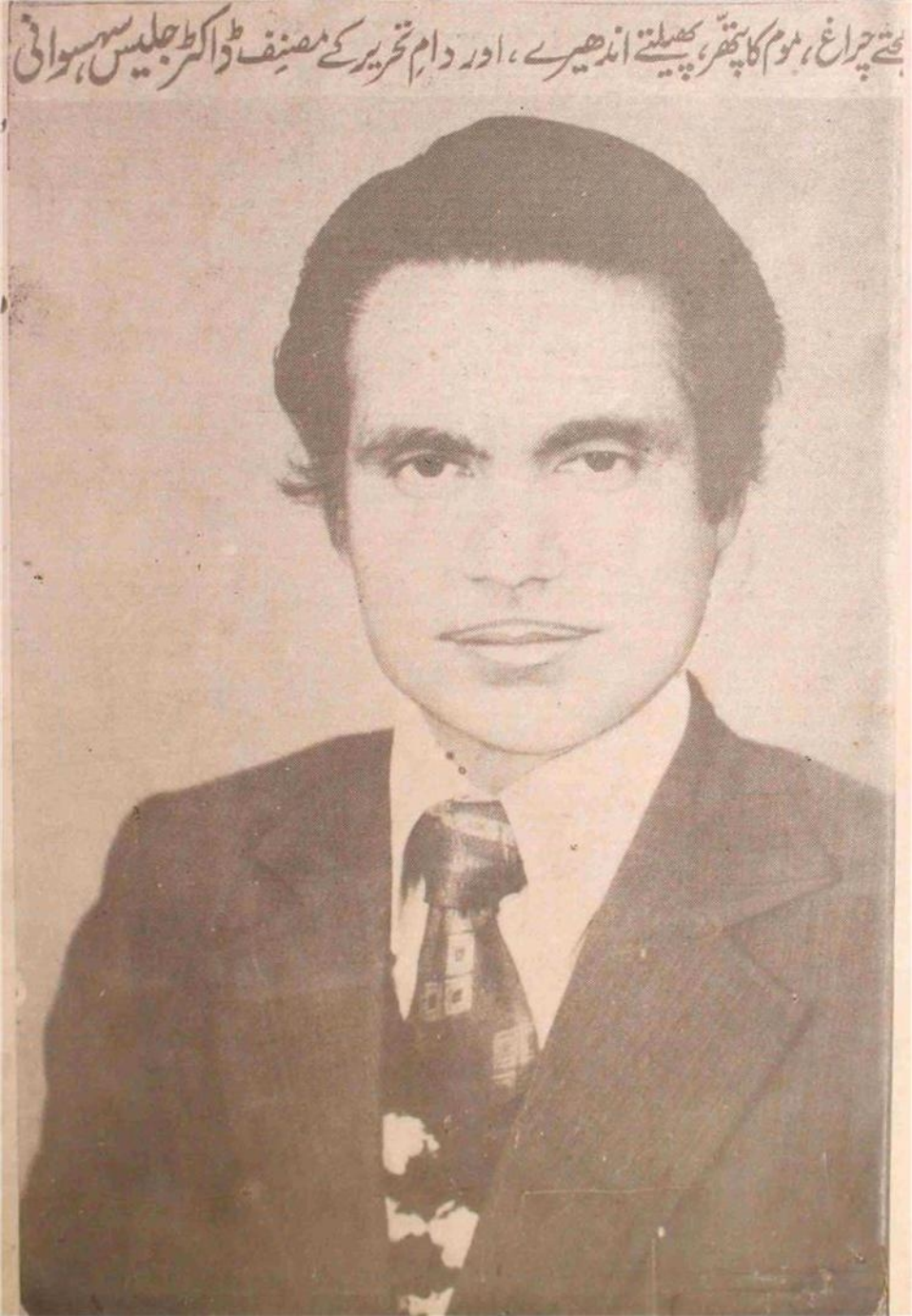

خط پوسٹ کرنے کے بعد زیدی خیال کرنے لگا ـــــ کاش! ہمارے معاشرے میں اُردو ادب کے ایسے ہی قدرداں! ایسے ہی چاہنے والے! اور ایسے ہی شیدائی ہوتے! یاسمین کی طرح اُردو ادب کے پرستار ہوتے تو اُردو کا مستقبل تاریک نہیں، تابناک ہوتا! لیکن جب اپنے ہی قاتل ہوں تو کسی اور سے شکوہ کیا۔ ؎

وہی تو پونچھ رہا تھا مرے بدن سے لہو
اُسی کو لوگ بتاتے ہیں مرا قاتل تھا!

یہ خیال کر کے زیدی نے مُسکرا دیا اور مختلف مقامات سے آئے ہوئے مختلف ادیبوں کے مسوّدوں پر اور خطوط پر بھی غور کرنے لگا۔ اِن خطوط میں یاسمین کا ایک اور خط نکلا۔

مکرمی جناب ایڈیٹر صاحب! سلامِ عقیدت

اُمید ہے آپ بخیر ہوں گے ـــــ میری ایک التجا قبول کر لیجئے۔ مجھے "گلفشاں" کے مستقل کالم "تصوّر" میں جگہ دید یجئے ـــــ بہت آرزو ہے! میں رات چھت پر لیٹی تھی چاند کبھی کبھی بادلوں کی سیاہ چادر سے نکل کر جھانکنے لگتا تھا۔ جیسے کوئی شرمیلی دُلہن ہو! اُسی نے میرے ذہن کے پردے پر نہ جانے کیسے کیسے نقش و نگار بکھیر دیئے۔ میں نے اُس سے متاثر ہو کر "التجا" تخلیق کر لی۔ اِسے میں نے اپنے یہاں سے شائع ہونے والے ایک اخبار میں چھپنے کے لئے دیا۔ لیکن افسوس! ایڈیٹر صاحب نے جنھیں میں چچا کہتی ہوں اصلاح فرمادی۔ میں کیا کہوں؟ کیسے کہوں اُن کے بارے میں..... اصلاح بہت گھٹیا تھی۔

ایسے وہ اچھے شاعر، اچھے ادیب ہیں ـــــ اُمید ہے آپ مجھے مایوس نہ فرمائیں گے! باقی آئندہ۔

خلوص کیش:۔ یاسمین ضیا

زیدی نے یاسمین کی تحریر پڑھ کر مسکرا دیا۔ اُس نے اپنا پیڈ اُٹھا کر چند سطریں لکھیں

محترمہ! آپ کی تحریر صاف ستھری اور جاندار ہے۔ با مقصد بھی ہے۔ اس میں تعمیری پہلو بھی ہے۔ پھر میں آپ کی التجا کو ٹھکرانے کی جسارت کس طرح کر سکتا ہوں۔

آپ کا:۔ انجم زیدی

یہ لکھ کر خط اُس نے لفافہ میں بند کیا۔ اور اُس پر یاسمین کا پتہ لکھ کر جانے والی ڈاک میں ڈال دیا۔ اور جیسے ہی اُس نے اپنے سامنے نظر اُٹھا کر دیکھا۔ تو مسٹر خلیق اپنا تعارف کرا رہے تھے۔ وہ یاسمین کے شہر میں کپڑے کا بزنس کرتے تھے۔ اُنھوں نے ایک کتاب "آشیاں تک" چودہ روپے اور ایک لفافہ دیتے ہوئے کہا ــــــ "مس یاسمین صاحبہ نے بھجوایا ہے۔" اُس نے یہ چیزیں لے کر خلیق کا دل سے شکریہ ادا کیا۔ اور بڑے تپاک سے بٹھا کر چائے وغیرہ سے اُن کی تواضع کی۔ کچھ دیر تک وہ رسمی گفتگو کرنے کے بعد چلے گئے۔ اُس نے لفافہ چاک کیا۔

محترم زیدی صاحب! خلوص بیکراں

اُمید ہے مزاجِ گرامی بخیر ہوگا۔ آپ کا خلوص نامہ ملا۔ دل کو ایک گونا سکون ہوا۔ ایک گونا خوشی میسر ہوئی۔ واقعی ذوقِ سجدہ ہو تو سنگِ آستاں کی کیا کمی۔ اور مجھے ذوقِ سجدہ تو ہے ہی۔ دیکھئے نا! کتنی مشغولیت ہے۔ نرسری اسکول میں پرنسپل ہوں۔ ادھر اپریل میں میرے امتحان شروع ہو رہے ہیں۔ پھر بھی آپ کو اور "گلفشاں" کو نہیں بھولی ہوں، نسرین اور شہناز کا زرِ تعاون، اپنی تصویر، بلاک خرچ بھیج رہی ہوں۔ تصویریں اس لئے تاخیر ہوئی کہ جو تصویریں بھیجنے والی تھی اُس میں میں عمر رسیدہ معلوم ہو رہی تھی۔ اور لڑکیوں کو زیادہ عمر نظر آنا اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ انجم صاحب! ناچیز غزل سرائی کے مقابلے میں ایک

سارٹیفکٹ اور انعام حاصل کر چکی ہے۔ عنقریب ریڈیو پر تازہ غزل نشر ہونے والی ہے۔ میری دوسری غزل کے دو اشعار آپ بھی سُنئے! ؎

میرے محبوب عرب دیش کو جانے والے
یاد تو ہوں گے تجھے اشک بہانے والے
تُو اگر اور کسی دیش میں بس جائے گا
خواب پھر خواب سے ملنے کو ترس جائے گا

اور ہاں ۲۷ جنوری کو آپ کے ماہنامہ کے مدیر معاون نیّر صاحب کا دوسرا خط آیا ہے۔ آپ حضرات سے شکایت ہے آپ لوگوں نے انھیں بالکل ہی فراموش کر دیا۔ ان کی آنکھیں آپ لوگوں کی تحریر دیکھنے کو ترس رہی ہیں۔ خدا کے لئے اُن کی آرزو پوری کر دیجئے ــــــ

یہ خط اپنے آفس سے لکھ رہی ہوں۔ بہت کچھ لکھ دیا ہے اس لئے معافی کی طلبگار ہوں

نوٹ:۔ نسرین کا زرِ تعاون اپنے پاس سے بھیج رہی ہوں جس سے وعدہ خلافی نہ ہو ــــ

خدا حافظ!

خلوص کار:۔ یاسمین ضیاؔر

یاسمین کا خط پڑھنے کے بعد زیدی کو اپنے دل میں سوئی ہوئی دھڑکنوں کا شور سُنائی دینے لگا۔ وہ بیقرار ہو گیا ــــ اُس کے خلوص، اُس کی محبّت نے اُسے بے حد متاثر کیا۔ وہ جواب لکھنے لگا۔

محترمہ! سلامِ خلوص

خط ملا۔ اور تحفۂ خلوص کے طور پر مجموعہ بھی پایا۔ اس ذرّہ نوازی کے لئے ممنون ہوں۔ مس نسرین کے زرِ تعاون میں چھ رُوپے کم ملے ہیں۔ آپ کے بلاک کے مصارف بھی مل گئے ہیں لیکن تصویر؟

شاید عمر رسیدہ معلوم ہونے کی وجہ سے شرم آگئی۔

یہ جان کر بے حد خوشی ہوئی آپ غزل سرائی میں انعام حاصل کر چکی ہیں۔ آپ کی مزید کامیابیوں کا خواہش مند ہوں۔ تازہ نظم میں محبوب کی جدائی سے بے قرار ہونے کا جو منظر آپ نے کھینچا ہے وہ بڑا دردناک معلوم ہوتا ہے۔ یہ عشق کتنا سنگدل ہوتا ہے!

آپ کو ذوقِ سجدہ ہے۔ تو ہم بھی جبینِ ناز جھکانے میں آپ سے پیچھے نہیں۔ افسوس تو اس بات کا ہے کہ نسرین صاحبہ کے زرکا خمیازہ صرف وعدہ نبھانے کے لئے آپ کو بھگتنا پڑا۔ ع

ہم جنھیں اپنا سمجھے تھے پرائے نکلے

اس کی کیا ضرورت تھی؟ 'گلفشاں' تو حالات کے بے رحم ہاتھوں کا شکار ہونے کے لئے وجود میں آیا ہی ہے۔

رہے خلوصِ محبت خوشا غمِ جاناں
کہ ہم زمانے میں مٹ کر بھی بے نشاں نہ رہے

یاسمین صاحبہ! کچھ اردو ادب کے ایسے بھی محسن ہیں جو اُمید و بیم کی راہوں پر ٹمٹماتی ہوئی شمع کی لو کو بجھا کر ع تماشائے دیر و حرم دیکھتے رہے

آپ کو یہ بتانا تو بھول ہی گیا۔ جب مسٹر خلیق آئے تھے تو رقعہ کا جواب طلب کر رہے تھے۔ وہ جواب اب دے رہا ہوں۔ اُس وقت اتنا مصروف تھا کہ موت کا فرشتہ بھی آجاتا تو ترس کھاتا۔ پھر بھی آپ کے حکم کی تعمیل میں مجموعہ روپیوں کی رسید کے ساتھ مجموعہ "گل کدہ" بھیج دیا تھا۔ رائے سے نوازیں۔ 'گلفشاں' کو منظرِ عام پر لانے کا یہی مجموعہ موجب بنا ہے۔ آپ نے جو مجموعہ عنایت فرمایا ہے اس کا مطالعہ کیا۔ اسی لئے کہ یہ تحفہ خلوص جو تھا۔ یہ بے حد گراں قدر اور بلند پایہ مجموعۂ کلام ہے۔ اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ یہ کہنہ مشق شاعر کی تخلیق ہے۔ اسی کلام میں طرفگیٔ ادا

اور ندرت ہے۔ اشعار میں جو فنکارانہ عظمت ہے وہ قابلِ ستائش ہے۔ کسی بھی نظم کے عنوان پر جب قاری کی نظر پڑتی ہے تو وہ اِس طرح چونک جاتا ہے جیسے خواب غفلت سے بیدار ہوا ہو۔ اس کے دل میں زندگی کی قدروں کا احساس جاگ اُٹھتا ہے۔ اور شاعر کے پروازِ تخیل کی داد دیئے بغیر نہیں رہتا۔ ملک و قوم کی آزادی اور اُس کی تعمیر میں اُس نے اپنی شاعری سے جو جادو جگایا ہے اُس سے اُس کا نام ہمیشہ روشن رہے گا ؎

پرِ یم کا رشتہ توڑنے والے بن نہ یوں انجان
ایک ہی منزل میری تیری، او مورکھ نادان!

آپ کی تخلیق شکیل نمبر میں شامل کرلوں گا ـــــ اور کوئی حکم؟

خلوص کیش:۔ انجم زیدی

زیدی نے خط کو لفافہ میں بند کرکے اس پر پتہ لکھا اور جانے والی ڈاک میں رکھ دیا۔ وہ یاسمین کے خطوط میں زیادہ ہی دلچسپی لینے لگا تھا۔ روزانہ کی ڈاک میں پہلے وہ یاسمین کے خط کو تلاش کرتا۔ یہ کیسی تلاش تھی اِسے وہ خود بھی نہیں جانتا تھا۔ اُسے تو بہت انتظار رہتا تھا۔ ایک لذت آشنا انتظار! یاسمین کے خطوں کا انداز ہی ایسا ہوتا تھا۔ جیسے اس سے برسوں پرانی آشنائی ہو ـــــ اور چوتھے دن کافی انتظار کے بعد اُسے خط مل گیا۔

اعلیٰ حضرت! آداب

یقین ہے خوش ہوں گے۔ کل خلیق آئے ہیں۔ اُن کے توسط سے "گل کدہ" ملا۔ تصویر غائب ہوگئی؟ اس کا افسوس ہے ـــــ لیجئے دوسری پیش ہے۔ اب بتائیے عمر زیادہ نظر آرہی ہے نا؟ 'گلفشاں' کی تین کاپیاں اس بار زیادہ بھجوائیں۔ ایک ہماری آپا ہیں وہ شاعرہ ہیں تخلص فانی کرتی ہیں۔ اُنھیں 'گلفشاں' بہت پسند آیا ـــــ تفصیل سے آئندہ لکھوں گی۔

یاسمین ضیاء

زیدی نے خط کی مختصر تحریر پڑھنے کے بعد اپنا پیڈ نکالا اور جواب لکھنا شروع کر دیا۔

محترمہ! زندگی تابندگی

خط ملا۔ تصویر بھی۔ تصویر بے حد دلکش ہے ـــــ عمر؟ زیادہ تو نہیں معلوم ہوتی۔ ایسے یہ ہوتی ہے بہت تیز رفتار۔ اس طرح گذر جاتی ہے حسرت سے دیکھتے ہی رہ جاؤ ؎

غزل اُس نے چھیڑی مجھے ساز دینا
ذرا عمرِ رفتہ کو آواز دینا

تصویر کی نسبت کیا کہوں۔ یہی کہ ؎

تصویر بنائی تھی جو ہم نے تصوّر میں
تصویرِ تخیّل سے تصویر سوا نکلی

ایک بات کہوں گا، جواب جلد دینے کی کوشش کرنا۔ تمہارے خط کا انتظار بہت تکلیف دہ ہوتا ہے۔

نیازمند:۔ انجم زیدی

یاسمین کے مختصر خط کا انجم زیدی نے بھی مختصر جواب دیا۔

اگلے دن اُسے ایک اور یاسمین کا خط ملا۔

مکرمی و محترمی! سلام و عقیدت

اللہ کرے آپ بخیر ہوں۔ آپ کا خلوص نامہ پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔ مجموعہ پسند آیا۔ اس کے لئے شکر گذار ہوں اور تصویر کی پسندیدگی کا بھی شکریہ!

تصویر اس ستائش کے قابل نہیں ہے جتنا آپ نے سراہا ہے۔ البتہ یہ بجا فرمایا ہے عمر تیز رفتار چیز ہے ـــــ ہونے دیجئے نا! کچھ کرنے کے لئے تو وقت درکار ہوتا ہے۔ پھر آپ کیسے کہتے ہیں جواب میں تساہل ہوتی ہے۔ کبھی کوتاہی تو ہو جاتی ہے جس کے لئے معافی چاہتی ہوں۔

"گلفشاں" کے تازہ شمارے کے لئے کچھ فنکاروں پر تنقیدی مضمون بھیجا ہے۔ مل گیا ہوگا۔

"گل کدہ" دیکھا مجھے بھی پسند آیا اور سہیلیوں کو بھی! بہت جاندار انتخاب ہے۔ آپ نے جس حسنِ نظر سے کام لیا ہے وہ قابلِ تحسین و مبارکباد ہے۔ آپ کا افسانہ "کی میرے قتل کے بعد اُس نے جفا سے توبہ" ایک اصلاحی افسانہ ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے شبہات دل میں جنم لے لیتے ہیں تو زندگی اجیرن اور بے مقصد معلوم ہوتی ہے۔ انسان اس سے فرار کے لئے نہ جانے کیا کیا منصوبے بنانے لگتا ہے۔ بعض لوگ تو خودکشی جیسے غیر مہذب طریقے کو بھی اپنانے سے گریز نہیں کرتے یہی اس افسانے کے کردار رُخسانہ کا حشر ہوا ہے۔ یہ حقیقت ہے شبہات اچھی سے اچھی فہم و فراست رکھنے والے انسان کو بھی گمراہ کر دیتے ہیں۔ اور عورت؟ جو کہ صحیح عورت کہلانے کی حق دار ہے۔ وہ کبھی اپنی زندگی کے کھیون ہار کی امانت میں خیانت کرنے کا گناہ نہیں کر سکتی۔ ایسے موقعوں پر وہ اپنی جان پر کھیل جاتی ہے۔ جیسے رُخسانہ نے اپنی جان دے کر عزت رکھ لی۔ آپ نے بہت عمدہ جذبات کی عکاسی کی ہے۔ قابلِ توجہ بات تو یہ ہے۔ آپ نے غم واندوہ سے افسانے کی ابتدا کر کے قہقہوں سے گزارتے ہوئے پھر غم واندوہ میں ڈبو دیا ہے۔ اس سے دل متاثر ہوتا ہے۔ خاص طور سے رُخسانہ کے خط کی یہ سطریں تو آنکھوں کو بھگو دیتی ہیں ـــــ "بڑا بھائی بطور باپ ہوتا ہے اور تمہارے والد میرے والد ہیں۔ انھوں نے مجھے ہمیشہ بیٹی کہہ کر مخاطب کیا ہے ـــــ تم نے مجھ پر شک کر کے میری توہین اور باپ بیٹی کے مقدس رشتے کو ذلیل کیا ہے۔ میری روح گھائل اور دل مجروح ہو گیا ہے۔ میں زندگی سے بیزار ہو گئی ہوں۔ اس لئے کہ تم نے میری پیشانی پر گہرا داغ لگا دیا ہے۔ جان دے سکتی ہوں لیکن اپنے کردار کے دامن پر بدگمانی کے داغ کا خیال بھی برداشت نہیں کر سکتی! اپنے وجود کو ہمیشہ کے لئے ناپید کر سکتی ہوں لیکن ناموس کا خون ہوتے برداشت نہ کر سکوں گی۔ وہ ناموس جس کی حفاظت ہر عورت کا فرض ہے ـــــ وہ ناموس جو عورت کی سب سے

بڑی دولت ہے!

میں نے تمہیں دل کی گہرائیوں سے چاہا تھا پریتم! جس کا صلہ مجھے مل گیا ہے۔ میں تمہیں کیسے یقین دلاؤں۔ میں تمہارے لگائے ہوئے الزام سے پاک ہوں۔ میں اُس ذاتِ اقدس کی قسم کھا کر کہتی ہوں جس کے ایک ادنیٰ سے اشارے سے دنیا تباہ ہو جائے گی۔ پہاڑ اور آسمان روئی کے گالوں کی طرح اُڑتے پھریں گے! ——— میں نے اپنے کردار کے دامن کو کبھی داغدار نہیں ہونے دیا۔ میں نے کبھی آپ کی امانت میں خیانت نہیں کی! اب بھی یقین نہیں ہے تو آخری ثبوت اپنی زندگی کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کر کے دے رہی ہوں ——— اب تو یقین کر لینا جانِ رُخسانہ......

رُخسانہ کے یہ الفاظ دل پر کاری چوٹ لگاتے ہیں۔ آپ کے قلم کے یہ جوہر دیکھ کر حوّا کی سچّی بیٹیوں کی یاد آجاتی ہے۔ بے حد جامع اور دلچسپ افسانہ ہے۔ اس سے زیادہ میں اور کیا لکھ سکتی ہوں۔ افسانے کے بارے میں اور بھی کچھ لکھنا چاہتی ہوں۔ لیکن خط طویل ہو گیا ہے اور پھر آپ جیسے بڑے ادیب کے لئے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔

آپ کی:۔ یاسمین ضیاؔ

زیدی یاسمینؔ کا اپنے افسانہ پر تبصرہ پڑھ کر حیران رہ گیا۔ وہ اس کے ادبی ذوق، ادبی معیار اور اس کی ادبی صلاحیت کا دل سے قدر دان ہو گیا۔ یہ اس کے وہم میں بھی نہ تھا یاسمینؔ ادبی اعتبار سے کوئی مقام رکھتی ہے۔ اُس نے کچھ سوچتے ہوئے قلم اٹھا لیا۔

محترمہ! خلوصِ بیکراں

میری زبانِ قلم سے کسی کا دل نہ دُکھے

یہی خیال رہے زیرِ آسماں مجھ کو

محبت نامہ مل کر موجبِ مسرت ہوا ——— آپ کو مجموعہ، میرا انتخاب اور "کی میرے قتل کے بعد اُس نے جفا سے توبہ" پسند آیا۔ اس ذرہ نوازی کے لئے بہت ممنون ہوں۔ آپ نے اپنی حُسنِ نظر سے

کام لے کر جس انداز میں میرے افسانہ پر تبصرہ فرمایا ہے وہ آپ کے علمی و ادبی ذوق کی ترجمانی کرتا ہے۔ لیکن آپ کا یہ کہنا میں بڑا ادیب ہوں مجھے پسند نہیں۔ کتنا بڑا سمجھتی ہیں آپ مجھے؟ کڑوے نیم کی طرح؟۔

—— میں بہت چھوٹا ہوں —— ادنیٰ زمین کا ذرّہ!

محترمہ! آپ کا یہ جملہ —— "تصویر پسند آئی اس کرم فرمائی کا بھی شکریہ! ایسے تصویر کے سوا اس ستائش کے قابل تو نہیں ہوں"

کیا مطلب! آپ کسی قابل نہیں؟ کیا میں.....

ہاں عمر کی سرعتِ رفتار سے میرا مقصد بھی یہی ہے۔ کچھ کرنے کے لئے وقت درکار ہوتا ہے۔ ایسا نہ ہو وقت گذر جائے اور ہم حسرت سے تکتے رہ جائیں۔

سبھی لوگوں کو سلام و احترام کہنا —— مخلص:۔ انجم زیدی

زیدی کا یہ معمول بن گیا۔ وہ روزانہ جیسے ہی یاسمین کا خط پاتا فوراً اُسے جواب لکھ دیتا۔ جب تک وہ ایسا نہ کرتا تھا اُسے قرار ہی نہ آتا تھا۔ عجیب سی بے چینی، عجیب سا انتشار، عجیب سی لذت اُسے پریشان کرتی رہتی۔ آج بھی یاسمین کا خط پاکر اُس کی یہی حالت ہوئی۔

خط میں لکھا تھا ——

شفیقِ محترم! سلام و رحمت

نامہ ملا۔ یقین ہے بخیر ہوں گے۔ آپ کو کڑوے نیم جیسا تو نہیں، بوڑھے برگد کی طرح ضرور سمجھا تھا جس کی بہت سی شاخیں ہوں —— دیکھئے ناراض نہ ہوئیے گا۔ اسی لئے تو میں نے اعلیٰ حضرت جیسے آداب و احترام کے الفاظ استعمال کئے تھے۔

ایک خوش خبری سُنیں گے؟ دس اپریل شام کو چھ بج کر پندرہ منٹ سے چھ بج کر پینتالیس منٹ تک آل انڈیا ریڈیو گورکھپور سے ایک شعری نشست نشر ہو رہی ہے جس میں سب سے پہلے آپ میری

یہ کتاب فخرالدین علی احمد میموریل کمیٹی حکومت اُتر پردیش
لکھنؤ کے مالی تعاون سے شائع ہوئی

نام کتاب	دامِ تحریر
ناشر	جلیس سہسوانی
تخلیق کار	ڈاکٹر جلیس سہسوانی
اشاعت	اوّل
تاریخ اشاعت	جنوری ۱۹۸۸ء
تعداد	چھ سو (۶۰۰)
مطبع	نیو پبلک پریس دہلی
قیمت	دس رُپے

ملنے کا پتہ

۱۔ جلیس سہسوانی، رستم ٹولہ، سہسوان (بدایوں) یو۔پی
۲۔ نسیم بک ڈپو لالٹوش روڈ لکھنؤ
۳۔ گل کدہ پبلی کیشنز سہسوان (بدایوں) ۲۴۳۶۳۸
۴۔ جے کے بک ہاؤس، رستم ٹولہ، سہسوان (بدایوں) یو۔پی

جملہ حقوق بحق مصنّف محفوظ ہیں

نظم سنیں گے۔ یہ میرا پہلا پروگرام ہے۔ ضرور سنئے گا!

اس وقت جلدی میں ہوں۔ اس لئے کہ نرسری کے بچوں کے امتحانات شروع ہو رہے ہیں۔ سات اپریل کو میرا بھی امتحان ہے اس لئے اب اجازت! چلتے چلتے ایک بات اور سن لیجئے! آپ کا خط کبھی کبھی والد صاحب کی نظروں سے گذر جاتا ہے ـــــ خیال رہے۔

یاسمین ضیاء

زیدی خط پڑھنے کے بعد کچھ دیر تک کچھ سوچتا رہا۔ کچھ سمجھتا رہا۔ جب اس کی سمجھ میں کچھ آگیا تو اس نے لکھا۔

یاسمین صاحبہ! گلہائے رنگا رنگ

افسوس! آپ کا محبت نامہ اتنی تاخیر سے ملا کہ میں ریڈیو پر آپ کی مترنم آواز سننے سے رہ گیا۔ کاش! یہ محبت نامہ کل دس اپریل کو مل گیا ہوتا! شاید پھر کبھی ایسا موقع میسر آئے۔

آپ نے مجھے بوڑھا برگد سمجھا ـــ شکریہ! یہ سب قیاس آرائیاں اور ذرہ نوازیاں ہیں آپ کی۔ میں بھلا ناراض کیوں ہونے لگا۔ خیال اپنا اپنا ہے۔ خط زیادہ طویل کر کے آپ کو زحمت دینا نہیں چاہتا اچھا! خدا حافظ!

انجم زیدی

اس خط کے بعد زیدی نے جان بوجھ کر یاسمین کو کوئی خط نہ لکھا۔ اس لئے کہ وہ کئی اخبار و رسائل کے لئے افسانے، مضامین اور مقالے لکھ رہا تھا۔ اس کے علاوہ اُسے شکیلہ بانو بھوپالی کے بھی کئی طویل اور غیر طویل خط موصول ہوئے تھے۔ اُن کا جواب ضروری تھا۔ اِس لئے آج اس نے آفس آتے ہی اور کسی طرف توجہ دینے کے بجائے شکیلہ بانو بھوپالی کا خط پڑھا۔

محترم انجم صاحب! آداب و نیاز

آپ کا خلوص نامہ مع ایک عدد "گلفشاں" نظر نواز ہوا۔ یاد آوری کا بہت شکریہ!

'گلفشاں' کی گل کاریاں دیکھ کر آپ کے ذوق پر عش عش کرنے کو جی چاہتا ہے اور ساتھ ہی آپ کی شب و روز کی محنت کی داد دینے کو بھی! میں رئیس المتغزلین حسرت موہانی مرحوم کے لہجے میں صرف اتنا کہوں گی ؎ خدا ترے جنون کا سلسلہ دراز کرے

'گلفشاں' میں بڑے بڑے ادبا اور شعرا کی تخلیقات خوب ہیں ـــــ مبارکباد! مبارکباد!!

میری سالگرہ ۲۱ جون کو تھی۔ لہٰذا بے شمار مبارکباد کے خطوط موصول ہوئے ہیں۔ 'گلفشاں' کے ذریعے اپنے تمام پرستاروں کا شکریہ ادا کرتی ہوں اُنھوں نے اپنی اچھی اچھی دعاؤں سے نوازا۔

خط لکھ کر پوسٹ کرنے کو تھی۔ یکایک شدید نمونیہ میں مبتلا ہوگئی۔ ابھی سنبھل بھی نہ پائی تھی کہ والد شدید بیمار ہوگئے۔ بہت علاج کے بعد بمبئی کے ناناوتی ہوسپٹل میں انھیں داخل کرادیا۔ وہاں وہ موت سے لڑ رہے تھے اور میں زندگی اور موت کی لڑائی میں ہر لمحہ اُن کے ساتھ تھی۔ آخر مورخہ ۱۸ ستمبر ۱۹۸۳ء کو عین عید کے دن اُن کی ہار ہوگئی، موت جیت گئی اور ۱۹ ستمبر کو اُنھیں سپرد خاک کردیا گیا ـــــ انجم صاحب! عبدالرشید خاں میرے والد ہی نہ تھے۔ میرے عزیز ترین دوست، ہمدرد، جنرل منیجر، کاروباری، ادبی اور ہر طرح کے مشیر تھے۔ اُن کی موت پر ایسا محسوس کر رہی ہوں میرے گھر میں ایک نہیں، کئی موتیں ہوگئی ہیں ـــــ اب آنسوؤں کی جھڑی ذرا تھمی ہے تو مخلصین کے خط پڑھ رہی ہوں اور جواب لکھ رہی ہوں۔ میری اس طویل غیر حاضری کی وجہ سے بہت سارے کام بکھرے پڑے ہیں۔ ڈاک کا ایک انبار بھی ہے ـــــ رنج و ملال سے میرا دماغ گُم صُم ہے اور قلم بے حرکت! کہتے ہیں وقت بڑا مرہم ہے اگر یہ سچ ہے تو آنسوؤں کی لڑی ٹوٹے گی تو میں آپ کو مفصّل خط لکھوں گی۔

شکیلہ بانو بھوپالی

زیدی نے خط پڑھنے کے بعد کچھ دیر تک اپنی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر سوچا۔ اور پھر ایک جمائی لے کر جواب لکھنا شروع کردیا۔

محترمہ شکیلہ بانو صاحبہ! تسلیم و نیاز

ایک مدّت گذر جانے اور بھول جانے کے بعد اچانک آپ کا خط باصرہ نواز ہوا۔ مسرّت ہوئی، لیکن ساتھ ہی بے حد تاسّف بھی! آپ کے والدِ محترم عبدالرشید خاں صاحب آپ کو اِس دارِ فانی میں تڑپتا، سِسکتا چھوڑ کر وہاں چلے گئے جہاں سے کوئی واپس نہیں آتا۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جوارِ رحمت سے نوازے ـــــ حقیقت تو یہ ہے یہ دن سبھی کو میسّر ہونا ہے۔ اس سے فرار ناممکن ہے۔ ایسے وقت میں صبر و قناعت اور خالقِ کائنات پر توکّل رکھنا ہی شکر گذاری کا بہترین طریقہ ہے ؎

اُنھیں کی زندگی میں ہے قرینا
مصائب میں جنھیں آتا ہے جینا

اُمید ہی نہیں یقین ہے میری اس مختصر تحریر کو نظر انداز نہ فرما کر گذشتہ حادثہ کو بھول جائیں گی اور ہمیشہ کی طرح شب و روز کی مصروفیتوں میں کھو جائیں گی۔ یہی تو زندگی کا حقیقی مقصد ہے۔

آپ کی تصویر بھی ملی، بہت پسند آئی، بے حد جاذب نظر ہے بے اختیار مُنہ سے نکل گیا ؎

کون سی خوبی پہ جاں دوں، کس ادا پر مر مٹوں
خوبیاں لاکھوں بھری ہیں یار کی تصویر میں

آپ نے اپنی کتاب مجھے نہیں بھجوائی۔ میں بھی دیکھتا، شدید آرزو ہے۔ کیا انتظار کروں؟

دعاگو ہوں اللہ تعالیٰ آپ کو صبر و سکون کی نعمت سے نوازے ـــــ آمین!

فقط والسّلام ـــــ مخلص انجم زیدی

زیدی نے یاسمین کے کئی خطوں کا جواب نہ دیا تھا۔ اس لئے آج اُسے پھر اُس کا نیلا لفافہ ملا تھا۔ اُس میں لکھا تھا۔

انجم صاحب! سلام و بندگی

خیریت ہے؟ یہ خاموشی، یہ بے رُخی کیوں؟ بہت انتظار کروا رہے ہیں۔ اب تو امتحانات بھی ختم ہو گئے۔ صرف نتیجہ باقی ہے ——

شاید آپ ڈر گئے۔ ارے بھئی ڈرنے کی کیا بات ہے۔ میں ہی کبھی کبھی والد صاحب کو آپ کا خط دکھا دیتی ہوں۔ وہ بھی پڑھنے کے بعد۔ اور پھر اس میں بُرائی بھی کیا ہے۔ اچھی چیزیں سب کو دکھائی جاتی ہیں۔ اُنھوں نے کچھ کہا بھی تو نہیں ہے۔ یہ اُن کے روشن خیال ہونے کا ثبوت ہے، وہ روشن ضمیر بھی ہیں۔ یہ بھی اُن کا رہینِ منّت ہے میں ضیاؔ بن گئی۔ یہ دوسری بات ہے میں اُن کا ادب ملحوظ رکھتے ہوئے اپنی غزلیں نہیں دکھاتی۔ اس لئے کہ مجھے شرم محسوس ہوتی ہے۔ کبھی وہ میرا لکھا ہوا افسانہ یا غزل پڑھ لیتے ہیں تو شرم سے سُرخ ہو جاتی ہوں، نہ جانے کیوں؟ شاید میرے اندر چھپی ہوئی مشرقیت ہے۔ اِسی لئے ترقی کی راہوں میں مجھے میانہ روی پسند ہے۔

چھوڑیئے اس قصّے کو، اب یہ بتائیے میرے دو خطوں کے جواب آپ پر واجب ہیں یا نہیں؟

جواب کی منتظر:۔ یاسمین ضیاؔ

زیدی نے یاسمین کی معصومیت اور سادگی پر مُسکرا دیا۔ اسے حیرت ہو رہی تھی پہلے تو اُس نے اپنے والد کی خطوط پر نظر پڑنے کا ذکر کر کے خط و کتابت کا سلسلہ سرد کر دیا۔ اب پھر بجھی ہوئی چنگاریوں کو ہوا دے کر بھڑکانے کی کوشش کر رہی ہے۔ یہی نہیں اپنے پچھلے دو خطوں کے جواب کا بھی تقاضا ہے۔ اب وہ اُسے جواب دے یا نہیں؟ اُس کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ سوچتے سوچتے وہ کسی صحیح نتیجے پر نہ پہنچ سکا تو اچانک اُس کے ذہن میں یہ شعر گونج اُٹھا ؎

راضی ہوں یا خفا ہوں وہ کچھ بھی ہوں شکیلؔ
ہر حال میں قبول ہے اُن کی خوشی مجھے

اور اُس نے قلم اُٹھا کر یاسمین کو جواب لکھنا شروع کر دیا۔

ضیاؔ صاحبہ! بے انتہا خلوص

یاد آوری کے لئے ممنون ہوں۔ یقین جانئے آپ کے اخلاص نامہ نے مجھے جو وقتی سکون بخشا ہے اُس نے زخم پر مرہم کا کام کیا ہے ـــــ یاسمین! ان دنوں میں بہت اُداس رہا ہوں۔ ایسے تمہارے خطوط برابر تمہاری یاد بن کر دل میں چبھتے رہے ہیں۔ لیکن دل احساسِ غم سے اتنا بوجھل ہو گیا تھا کہ تمہیں لکھتے لکھتے بھی کچھ نہ لکھ سکا ـــــ وجہ؟ میری ہمشیرہ کی بے وقت موت تھی! جو ہم سب کو داغِ مفارقت کے ساتھ ساتھ آنسو، آہیں اور یادیں دے گئیں۔ مرحومہ جوان تھیں۔ اپنے پیچھے کئی بچے چھوڑے ہیں۔ پچھلے چند سالوں سے اپنے شریکِ حیات کے ساتھ علی گڈھ میں رہتی تھیں اُن کے شوہر ریلوے میں ڈائیور ہیں۔ یہ میرے لئے ایک جان کاہ حادثہ ہے۔ لیکن کیا بھی تو کچھ نہیں جا سکتا۔ ع زخم ہیں دل میں تری یاد دلانے کے لئے

دوسری خط نہ لکھنے کی وجہ یہ تھی کہ ابھی تو آپ نے مجھے اس لمبی لمبی شاخوں والے بوڑھے برگد کی طرح سمجھا ہے۔ ہزاروں طوفان حوادث سے ٹکرانے کے باوجود سینہ تانے جھومتا رہتا ہے، کہیں خارِ مغیلاں سمجھ بیٹھیں تو کیا ہوگا؟ میں تو آپ کو اپنے برعکس گلزاروں اور لالہ زاروں کو معطر کر دینے والی یاسمین سمجھتا ہوں ـــــ نکہت باد یاسمین!

تیسری وجہ وہ خوف تھا جو آپ نے لکھا تھا۔ اس لئے کہ اکابرین کا احترام میرا شیوہ ہے۔ ہو سکتا تھا جذبات کی رَو میں بہہ کر کوئی ایسی ویسی بات لکھ جاتی جس میں آپ کی ناراضگی تو کچھ نہیں ـــــ خوشامد کر کے منا لیتے۔ والدِ محترم کی دل شکنی ناقابلِ معافی جُرم تھا۔ وہ لاکھ فراخ دل اور روشن شخصیت کے مالک سہی، لیکن جُرم کی تلخی سارا وجود کڑوا کر دیتی ہے۔ جس طرح آپ شرم سے سُرخ ہو جاتی ہیں اسی طرح میں بھی پانی پانی ہو جاتا ع شد پریشاں خوابِ من از کثرتِ تعبیرہا

چوتھی وجہ ادبی اور صحافتی کاموں کی بہتات! مثلاً ماہنامہ "روبی" دہلی کے لئے افسانہ، "میرے اپنے" کی تکمیل، "بانو" دہلی کے لئے نظم، "بیوہ کا شکوہ" اور مضمون "اورنگ زیب کی نورِ نظر زیب النساء مخفی" کی تخلیق، "گلفشاں" کے شکیل نمبر کے لئے مقالہ۔

پانچویں وجہ محترمہ شکیلہ بانو بھوپالی کے والد محترم کے انتقال پر ایک تعزیتی اور تفصیلی خط۔

اُمید ہے آپ مع اہلِ خانہ بخیر ہوں گی۔ والد صاحب کو سلام و احترام کہہ دیں۔

مذکورہ تخلیقات کو پڑھ کر رائے سے ضرور سرفراز کرنا۔ انتظار رہے گا۔

انجم زیدی

ایک ہفتہ تک زیدی لکھنے پڑھنے کے کاموں میں بے حد مشغول رہا۔ اُن دنوں اُس نے لکھنے پڑھنے اور سوچنے کے عمل کو اتنا تیز کر دیا تھا کہ وہ رات کے دو دو بجے تک ٹیبل لیمپ جلائے سوچتا رہتا، لکھتا رہتا، پڑھتا رہتا۔ اُسے ایک دُھن سی سوار ہو گئی تھی اور آج جب اُس نے اس کام سے نجات حاصل کر لی تو اپنے آفس میں کئی روز کی پڑی ہوئی ڈاک کی طرف توجہ کی۔ سارے مراسلے دیکھنے کے بعد کچھ کا جواب تو اُس نے اسی وقت لکھ دیا اور کچھ کو آئندہ کے لئے چھوڑ دیا۔ اسی میں شکیلہ بانو کا خط اور اُن کی کتاب "قوالی امیر خسرو سے شکیلہ بانو تک" بھی تھی۔ اور یاسمین کا خط بھی تھا۔ پہلے اُس نے یاسمین کا خط پڑھا۔

محترم ڈاکٹر صاحب! خلوص و آداب

مزاج شریف! آپ کا محبت نامہ ملا۔ حالات معلوم ہوئے۔ ہمشیرہ صاحبہ کی موت کی اندوہ ناک خبر پڑھ کر گذرے ہوئے لمحے یاد آ گئے۔ کیسے ان لمحوں کی باتیں لکھوں؟ ــــــ اُف! اُن معصوم ننھے مُنّے بچوں کے چہرے مجھے دکھائی دے رہے ہیں جن کی طرح کبھی ہم بھی تھے۔ اللہ تعالیٰ نہ جانے کیوں معصوموں کے والد کو اُن سے جُدا کر دیا۔ یہ جُدائی ایسی ہوتی ہے جسے کوئی بھی پورا نہیں کر سکتا۔ چاہے ساری دنیا ہی ماں باپ کہلانے کا شرف حاصل کرلے لیکن یہ کمی کبھی پوری نہیں ہو سکتی۔ کبھی نہیں! ــــــ

انجم صاحب! میں بڑے تلخ تجربات سے گذری ہوں۔ اِس لئے خدا سے میری یہی دعا ہے وہ اُن معصوموں کو ماں کا پیار باپ کی شفقت عطا فرمائے ـــــ میری والدہ نے آخری سانسوں کے درمیان کہا تھا ـــــ "دنیا بڑی جنجال ہے"۔ اُن دنوں یہ باتیں میری سمجھ سے بالاتر تھیں۔ آٹھ دس سال کی عمر ہی کیا ہوتی ہے جو اِن باتوں کو سمجھتی۔ وہ بس بولے جا رہی تھیں۔ کبھی نہ بولنے کے لئے۔ ہمیں خبر بھی نہ تھی اب کیا ہوگا؟

میری یہی دعا ہے اللہ تعالیٰ مرحومہ کو جنّت الفردوس اور آپ حضرات کو صبر ایوب عطا فرمائے ـــــ کیا وہ آپ کی بڑی بہن تھیں؟

ہاں! آپ کی غلط فہمی دُور کر دوں۔ اور خوش فہمی بھی! ـــــ میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے، لکھوں اور کیسے لکھوں؟ لیکن اتنا ضرر لکھوں گی، آپ دھوکا کھا رہے ہیں اور مجھے بھی دھوکا دے رہے ہیں ـــــ آپ مجھے گلزاروں اور لالہ زاروں کو معطّر کر دینے والی یاسمین سمجھتے ہیں۔ میں تو کچھ بھی نہیں۔ حسین صورت، نہ حسین سیرت، ایک بے وقوف لڑکی ہوں جسے آپ اور بے وقوف بنا رہے ہیں شاید فرسٹ اپریل میں آپ کو بے وقوف بنانے کے لئے کوئی ملا ہی نہ تھا۔ آپ نے اِس طرح مجھے اپنی نگاہوں سے گرا دیا۔ "کی میرے قتل کے بعد اُس نے جفا سے توبہ" ـــــ ڈاکٹر صاحب! میں ایسا کوئی خواب دیکھنا نہیں چاہتی جس کی تعبیر نہ ہو۔ میں تو ایسے خواب کی متمنّی ہوں جسے والد صاحب دیکھیں گے۔ یہ اُن کا حق ہے۔ جذبات میں بہہ کر نہ جانے کیا کیا لکھے چلی جا رہی ہوں ـــــ معاف کیجئے گا!

مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے آپ میرا امتحان لے رہے ہیں۔ دیکھئے نا! ابھی ابھی تو ایک امتحان سے چھٹکارا نصیب ہوا ہے۔ اب کسی طرح کا امتحان دینے کی ہمّت نہیں ہے۔

یہ جان کر خوشی ہوئی، ان دنوں آپ نے کئی تصانیف تخلیق کی ہیں۔ پڑھنا نصیب ہوا تو رائے لکھوں گی ـــــ آپ کے حکم کو ٹالنے کی جسارت نہیں ہے مجھ میں!

آپ کی
یاسمین ضیاء

THIS EBOOK IS DOWNLOADED FROM
SHAAHISHAYARI.COM

LARGEST COLLECTION OF URDU
SHERS, GHAZALS, NAZMS AND EBOOKS.

یاسمین کا خط پڑھ کر زیدی نے کچھ عجیب سا محسوس کیا۔ اُسے اُس کی طنزیہ تحریریں کالے ناگوں کی طرح معلوم ہو رہی تھیں۔ اُس نے خط کا جواب لکھا ــــــ

محترمہ ضیاء صاحبہ! السلام علیکم

لفافہ ملا ــــ حالات سے آگہی ہوئی ــــ جی ہاں! مرحومہ میری حقیقی بڑی بہن تھیں ــــ کیا کیا جائے ربِ جلیل کی مرضی میں کس کو دخل ہے۔

کیا کہا، میں خوش فہمی میں مبتلا ہوں؟ نہیں کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہوں اور آپ کی نسبت کیا کہوں۔ یہی کہ آپ جیسی معصوم ادیبہ کو بے وقوف بنانے کی کوشش ہرگز نہیں کر رہا ہوں۔ میں حقیقت سے پردہ پوشی کرنا جرم سمجھتا ہوں۔ رہا سوال "کی مرے قتل کے بعد اُس نے جفا سے توبہ" آپ نے رخسانہ کے متعلق بات کہی ہے۔ آپ نے رخسانہ کو اچھی نظروں سے نہیں دیکھا۔ وہ تو عفت و ناموس کی علمبردار تھی جس کی تقدیس کا طوفان آج بھی جمیل کے گرد موجیں مار رہا ہے۔ یہ دوسری بات ہے جمیل نے اُسے آپ کی طرح اچھی نظروں سے نہیں دیکھا ــــ افسوس! یہ سوچا بھی نہ تھا اس افسانہ پر تبصرہ کرنے والی ادیبہ اپنے ذہن میں ایسے خیالات بھی رکھتی ہے۔ سچ تو یہ ہے میں نے کوئی خواب نہیں دیکھا جس کی تعبیر کی ضرورت ہو اور پھر حقیقت کی تعبیریں کہاں ہوتی ہیں؟

سعادت مند بیٹیاں وہی ہوتی ہیں جو اپنے آپ کو والدین کا حق سمجھیں اور سرِ خم تسلیم کئے رہیں ــــ آپ کی ناصحانہ تحریر کے لئے شکریہ!

مخلص:۔ انجم زیدی

خط لکھنے کے بعد زیدی کرسی سے ٹیک لگائے کچھ دیر تک کسی خیال میں ڈوبا ہوا چپ چاپ بیٹھا رہا۔ اور جب اُس کا دل و دماغ اعتدال پر آگیا تو اُس نے شکیلہ بانو کی کتاب "قوالی امیر خسرو سے شکیلہ بانو تک" کھولی۔ ورق گردانی کرتے ہوئے جگہ جگہ شکیلہ بانو کی رنگین اور کالی تصویریں مختلف انداز میں دیکھ کر مسکرا دیا۔ کئی گھنٹے تک کتاب کا مطالعہ کرنے کے بعد اُس نے شکیلہ کا لفافہ کھولا۔

محترم ! آداب

آپ کا خط ملا ـــــ شکریہ ! قبلہ والد صاحب کی موت کے بعد یوں محسوس ہو رہا ہے۔ حوادث و مصائب کی یلغار سے گھر کی چھت اُڑ گئی ہو اور ہم بے دست و پا ہو گئے ہوں۔ اِس نازک اور الم ناک وقت میں، آپ نے مجھے سہارا دیا۔ اس کے لئے بے حد ممنون ہوں۔ اس سے مجھے بہت حد تک حوصلہ ملا ہے اور آپ جیسے مخلصوں کی دعائیں اور ہمدردیاں میرے ساتھ ہوں تو میں دوبارہ جی سکوں گی لیکن یہ پہاڑ جیسا غم ہے۔ ذہن سے اس کی گرد دھیرے دھیرے مٹے گی ـــ ! ؎

تھمتے تھمتے تھمیں گے آنسو

رونا ہے یہ ہنسی نہیں ہے

اُمید ہے آپ بخیریت ہوں گے۔ ہماری جانب سے گھر کے سبھی افراد کو آداب۔

نوٹ :۔ کتاب "قوالی امیر خسرو سے شکیلہ بانو تک" ارسال ہے۔ رائے کا انتظار رہے گا۔

دعاؤں کی متمنی سوگوار :۔ شکیلہ بانو

شکیلہ بانو کا خط پڑھ کر ایک بار اُس نے کتاب کو پھر اُلٹ پلٹ کر دیکھا۔ اور جواب لکھنے لگا۔

محترمہ ! خلوص و نیاز

آپ کا محبت نامہ ملا۔ مرحوم کی بے وقت رحلت نے آپ کو ایک جانکاہ صدمے سے دوچار ہی نہیں، توڑ کے رکھ دیا ہوگا۔ لیکن ہر کام میں خالق کائنات کی مصلحت کارفرما ہوتی ہے۔ جسے ہم اور آپ نہیں جانتے ـــــ اور پھر آپ کو تو اِنّ اللہ مع الصابرین پر عمل پیرا ہونا چاہئے ؎

گذرا جو حادثہ نہ اُسے یاد کیجئے

بے فائدہ نہ وقت کو برباد کیجئے

مرنے والے کے ساتھ مرا بھی تو نہیں جاتا۔ اور زیادہ کیا لکھوں ؟ آپ سب کو اللہ تعالیٰ صبر و سکون

انتساب

اُس بے وفا کے نام جس نے خود سے قریب کر کے دُور رہنا پسند کیا ——

اُس بے وفا کے نام جس نے اِس شعر کو میری زندگی کی تفسیر بنا دیا ؎

نہ تڑپنے کی اجازت ہے نہ فریاد کی ہے
گھُٹ کے مر جاؤں یہ مرضی مرے صیّاد کی ہے

جلیسؔ سہسوانی

عطا فرمائے ـــــ آمین!

آپ کی کتاب دیکھی۔ بہت پسند آئی۔ یہ حقیقت ہے قوالی کا جنم ہندوستان ہی میں ہوا۔ اس کے موجد حضرت امیر خسروؒ تھے۔ قوالی میں حبّ الوطنی اور انسانیت کا درس دینے والے آپ سب سے پہلے شاعر تھے۔ آپ ہی نے سب سے پہلے شاعری میں اُردو کو ایک ادبی زبان کی حیثیت سے استعمال کیا اور یہ بتایا، قوالی انسان کی روحانی آسودگی کا ذریعہ ہی نہیں، رنگ و نسل، ذات پات اور فرقہ پرستی جیسے مہمل فعل سے بے نیاز کر کے ہر قوم و ملت کے افراد کو اپنے دامنِ وسعت میں پناہ دے کر یکجہتی کے مواقع فراہم کرتی ہے ـــــ!

قوالی کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو وہ اپنے سات سو سال کے سفر میں بے حد ارتقائی مرحلوں سے گذر کر خالص اُردو کے پیکر میں ڈھل گئی ہے اور اُسے اُردو ہندی کے الفاظ کی شمولیت نے شگفتگی، دلکشی و دلنوازی، ہمہ گیری اور مقصدیت کا ایسا آہنگ دے دیا ہے کہ وہ ہر مسلک و مذہب اور ذوق کے لوگوں کی دلی ترجمانی اور دلی اظہار کا مرکز بن گئی ہے۔

موجودہ صدی میں ایسے تو قوالی کے بیشتر فنکار اور گلوکار اسے خونِ جگر دے کر پروان چڑھاتے رہے ہیں۔ لیکن اُن میں کچھ نام ہی قابلِ ذکر ہیں۔ جیسے عزیز احمد خاں وارثی، اسمٰعیل آزاد، یوسف آزاد، شنکر، شمبھو، جانی بابو، حبیب پینٹر وغیرہ ـــــ لیکن اِن سب سے زیادہ اہم نام شکیلہ بانو بھوپالی کا ہے۔ جنہوں نے قوالی کا نفسیاتی تجزیہ کر کے اُسے آگے بڑھانے اور عوام میں اُسے مقبول بنانے میں قابلِ قدر کوشش کی ہے۔ آپ کی یہ رہنمائی ناقابلِ فراموش ہے جو ہمیشہ عوام کے دلوں میں یاد رہے گی۔

اسی کی ایک طویل کڑی اکمل حیدر آبادی کا ادبی، تحقیقی اور تاریخی کارنامہ یہ تصنیف ہے جو اس وقت میرے ہاتھ میں ہے۔ "قوالی امیر خسرو سے شکیلہ بانو تک" آپ کی یہ کتاب بڑی مدلّل اور جامع ہے جو تاریخی اعتبار سے ہی نہیں لسانی اعتبار سے بھی جامع اور منفرد ہے۔ اکمل صاحب نے آپ کے متعلق

اتنا کچھ لکھا ہے ـــــ اتنا کہ اس سے زیادہ لکھنے کی گنجائش نہیں، کوئی گوشہ، کوئی پہلو باقی نہیں رہ گیا ہے جس پر آپ کے بارے میں اکمل صاحب نے روشنی نہ ڈالی ہو۔ انھوں نے آپ کے رہن سہن کھانے پینے، سونے جاگنے اور خاندان سے متعلق سبھی کچھ تفصیل سے لکھ دیا ہے۔ آپ کی قوالی کی ابتدائی زندگی سے انتہا تک پہنچنے پر گہری نظر ڈالی ہے اور خوب لکھا ہے۔ مشاہیر اہلِ قلم حضرات کی جو آرا جگہ جگہ موضوع کے اعتبار سے دی ہیں اُن میں سے ہر رائے کو تقریباً ہر موضوع میں شامل کیا ہے۔ کاش! ہر موضوع کے متعلق نئی رائے ہوتی تو کتاب کی افادیت اور بڑھ جاتی۔

بہر حال یہ چار سو بیاسی صفحات پر مشتمل کتاب اہمیت و افادیت کے لحاظ سے اپنے دامن میں معلومات کا بے کراں خزانہ سمیٹے ہوئے ہے، کتابت، طباعت اور کاغذ بے حد نفیس اور جاذب نظر ہے آفسیٹ کی چھپائی کے ساتھ جگہ جگہ مصنف، آپ کی اور دیگر فلمی لوگوں کی بہت سی رنگ برنگی تصاویر نے کتاب میں ایک جان ڈال دی ہے۔

آپ کی کتاب کی نسبت میری یہی مختصر رائے ہے ـــــ آپ کا:۔

انجم زیدی

انجم زیدی نے رات کو شکیلہ بانو کو خط لکھ کر صبح پوسٹ کر دیا۔ اور جب وہ اپنے آفس میں آیا تو ڈاک کا انبار اُس کا انتظار کر رہا تھا۔ اُس نے ایک ہی نشست میں سارے خطوط دیکھ ڈالے۔ صرف یاسمین کا لفافہ رہ گیا تھا۔ جسے اُس نے بعد میں کھولا ـــــ

پیکرِ خلوص! پیار و محبت

خط ملا۔ آپ کے تیور سے غصہ جھانک رہا ہے۔ ڈر لگ رہا ہے۔ خدا خیر کرے! شاید آپ عورت کی نفسیات سے پوری طرح واقف نہیں ـــــ خیر.....

میں نے جان بوجھ کر آپ کا دل دُکھایا۔ صرف شک کی وجہ سے۔ مجھے یقین تھا آپ جیسا عظیم

فنکار اور کامیاب افسانہ نگار دھوکا نہیں دے سکتا۔ پھر بھی میں یہ جاننے کی آرزومند ہوں آپ کی زندگی میں پہلے بہار آئی ہے یا نہیں؟ والدین کی مرضی سے یا آپ کی مرضی سے؟ اس لئے کہ آپ کی تصویر سو آپ کی عمر تیس پینتیس کے درمیان معلوم ہوتی ہے۔ ہو سکتا ہے بہار آگئی ہو۔ اس زیادتی کے لئے معافی چاہتی ہوں۔ آپ جو سزا چاہیں دیں بس خطاوار ہوں ــــــ!

انجم صاحب! آج مجھے اس کا اعتراف ہے پیار کسے کہتے ہیں، محبت کیا ہوتی ہے میں یہ جانتی ہی نہ تھی۔ اس لئے کہ مجھے سچا پیار کسی روپ میں ملا ہی نہیں۔ یہ لکھتے ہوئے میری آنکھوں میں آنسو آرہے ہیں۔ دل میں ایک درد سا ہو رہا ہے ــــــ اُف! قلم بھی رُک کر چل رہا ہے۔ میں آج آپ کو سب کچھ نہ سہی ــــــ کچھ تو ضرور لکھوں گی۔ میں ہمدردی اور معصومیت کی کتنی مستحق ہوں یہ مجھے خود بھی نہیں معلوم۔ اتنا جانتی ہوں میرا بچپن اُس سوکھے ہوئے کھیت کی طرح گذر گیا جہاں بادل بغیر برسے چلے جاتے ہیں ؎

کیسے کیسے بادل آکر کل دھرتی پر برسے ہیں
ہم ہی ہیں سنسار میں ایسے ایک بھی بوند کو ترسے ہیں

والد صاحب کو اپنے وطن سے اتنی عقیدت، اتنا لگاؤ ہے کہ نوکری تو کیا کرتے۔ علمی دنیا کے مقبول شاعروں نے بلایا تو بھی نہیں گئے۔ اپنی شادی کے بعد وہ وطن کے ہی ہو کر رہ گئے۔ میرا وجود جب اس دنیا میں ہوا تو ہندوستان کے لوگ آزادی کی سانس لے رہے تھے۔ جاں بازوں اور مجاہدوں کی وقعت گھٹ رہی تھی۔ سرمایہ داروں کے سر بلند ہو رہے تھے۔ اسی زمانے میں والدہ صاحبہ کو ایسا صدمہ پہنچا وہ ہسٹریا میں مبتلا ہو گئیں۔ لیکن سالوں بعد ٹھیک ہو گئیں۔ اور پھر کچھ دنوں بعد ہم پانچ بہن بھائیوں کا بار والد صاحب کے کاندھوں پہ ڈال کر ہم سے ہمیشہ کے لئے جُدا ہو گئیں۔ والد صاحب نے ہم سب کی خوشی کے لئے دوسری شادی نہیں کی۔ یہی وجہ ہے وہ ہماری خوشیوں کے لئے ذرا سا اشارہ ملتے ہی

ہماری خوشی پوری کرنے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں۔ اتنا لکھنے کے بعد اب آپ کو اپنی زندگی بھر یاد رہنے والی کہانی سُنا کر اور بور نہیں کرنا چاہتی۔ یہ تو آپ کا حُسنِ نظر ہے حسین نہ ہونے کے باوجود مجھے حسین سمجھتے ہیں جیسا کہ میری تصویر سے بھی ظاہر ہے۔ یہ دوسری بات ہے حُسن کی تلاش کرنے والی نظروں کو ہر بھونڈی چیز میں بھی حُسن ہی نظر آتا ہے، ایسی نگاہ والوں کی ذرّہ نوازی ہے۔ میں تو میانہ قد کی صرف قبول صورت لڑکی ہوں۔ ایسے طبقہ سے تعلق رکھتی ہوں جسے دنیا پس ماندہ سمجھتی ہے۔ میں کسی ذات پات کو نہیں مانتی میں تو انسانیت اور محبّت کو سب سے بڑا مذہب سمجھتی ہوں۔ دیکھئے کوئی تیر نہ ماریئے گا۔ بہت سے ایسے لوگ بھی ہو سکتے ہیں جو میرے اس خیال سے متّفق نہ ہوں۔ میں تو کسی خوبصورت دل کی پُجارن بننا چاہتی ہوں۔ مجھے چاہت ہے کوئی پوری طرح مجھے اپنا سمجھ کر کہہ دے تم میری ہو، صرف میری۔۔۔۔ مجھے کچھ نہیں چاہئے صرف تمہاری محبّت اور خلوص سے لبریز دل چاہئے! پھر میں والد صاحب کے سامنے سر تسلیم خم کر کے اپنا مدّعا سُنا دیتی۔ لیکن افسوس! آپ نے طنز بھرے تیروں سے میرا دل زخمی کر دیا ع

گلوں کے درد کا کوئی بھی آشنا نہ ملا

مناسب سمجھیں تو میرا پہلے والا خط آپ دوبارہ پڑھئے۔ آپ کو واضح ہو جائے گا۔ میں نے یہ لکھا تھا۔ آپ مجھے یاسمین سمجھ رہے ہیں، رُخسانہ نہیں؛ رُخسانہ تو مریم کی طرح مقدّس ہے۔ اور مریم اور رخسانہ ایک وجود کے دو نام ہیں جن کے عہد بدل گئے ہیں۔ اب جمیل نہ سمجھا تو نہ سمجھے۔ دیکھنا تو یہ ہے انجم! (معاف کیجئے گا) اُسے کیا سمجھتا ہے۔

یہ حقیقت ہے زندگی میں ایک ایسا موڑ آتا ہے جب انسان کو ایک ساتھی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لئے کہ ساتھی کے بغیر زندگی ادھوری اور بے معنی نظر آتی ہے وہ ساتھی کے بغیر اپنی زندگی کے سُونے راستوں پر چل نہیں سکتا ـــــ اچھا چھوڑیئے اس فلسفے کو۔ یہ تو اس کی خوش نصیبی ہے جسے آپ نے اپنا سمجھا ہے ـــــ کیوں؟

مرحومہ بہن کے بچّوں کو میری طرف سے پیار دیجئے ـــــ

خط طویل ہوگیا اس لئے آپ کی نظم اور مضمون جو "بانو" دہلی میں چھپے ہیں۔ اُن کی نسبت بعد میں لکھوں گی ـــــ میری کسی بات سے تکلیف پہنچی ہو تو معاف کیجئے گا! یا سزا جو چاہیں دے سکتے ہیں ـــــ خنداں پیشانی سے قبول کروں گی ـــــ والسّلام

غم نصیب :۔

یاسمین

زیدی یاسمین کا خط پڑھ کر حیران ہوگیا۔ اُسے اُس تحریر پر غصّہ بھی آیا۔ پیار بھی! نہ جانے جذبات کی رو میں کیسی کیسی باتیں اُسے لکھ ڈالی تھیں۔ اُس کے خط کا ایک ایک حرف اُسے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُسے گالیاں دے رہا ہو۔ اُس کا دل چاہا اُسے کوئی جواب نہ دے۔ اور خط و کتابت کا یہ جان لیوا سلسلہ یہیں توڑ دے۔ کچھ دیر تک وہ اپنے اندر ہونے والی اسی کش مکش میں اُلجھا رہا۔ پھر کچھ سوچ کر وہ لکھنے لگا ـــــ

محترمہ یاسمین صاحبہ! خلوصِ بیکراں

خط ملا۔ بہت غصّے میں ہو۔ اتنی کہ مجھے اپنے آس پاس لپکتے ہوئے شعلوں کا احساس ہو رہا ہے۔ کہیں جل نہ جاؤں! ایسا میں نے کیا لکھ دیا جو اتنی شدید طور پر بھڑک اُٹھی ہو۔ یہ صحیح ہے میں عورتوں کی نفسیات کے معاملے میں معصوم ہوں۔ پھر بھی میں نے کچھ لکھ دیا ہے اور وہ غلطی ہے۔ تو کیا یہ درگذر کئے جانے کے قابل نہیں؟ ؎

کسے پکاریں کدھر جائیں روشنی کے لئے
ہر ایک سمت اندھیرے ہیں زندگی کیلئے

مجھے اس کا کوئی شکوہ نہیں آپ نے جان بوجھ کر میرے دل میں خنجر پیوست کیا ہے۔ افسوس تو اس بات کا ہے میرے سر پر عظیم فنکار، بڑے ادیب اور کامیاب افسانہ نگار جیسے بھاری الفاظ لاد کر

ذلالت کی دلدل میں دھکیل دیا ہے۔ اور مُسکرا کر میرا تماشا دیکھ رہی ہیں۔ اتنی بے رحمی؟ ؎

وہی دیوانہ بنائے وہی ہنس کر دیکھے
کوئی غم خوار میرا ہو تو یہ منظر دیکھے

میری زندگی کی داستان بہت تلخ ہے۔ اتنی تلخ! خیال کر کے آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں آپ کی والدہ جس عمر میں آپ کو چھوڑ گئی تھیں۔ اُسی عمر میں میرے والد مجھے چھوڑ کر اللہ کو پیارے ہو گئے تھے۔ میری پرورش اور تعلیم و تربیت ماموں اور ممانی کی زیرِ نگرانی کن حالات میں ہوئی۔ کس طرح ہوئی؟ یہ ایک کہانی ہے۔ کیا اسے آپ سُن سکیں گی؟ ؎

نہیں منت کشِ تابِ شُنیدن داستاں مری
خموشی گفتگو ہے بے زبانی ہے زباں مری

عمر ــــ؟ آپ کی اور اپنی تصویریں برابر رکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے میرا وجود آپ سے پانچ سال پہلے زمین پر آگیا تھا۔ ویسے عمر کی نشاندہی کے معاملے میں آپ یکتائے فن معلوم ہوتی ہیں جو چاہیں سمجھیں۔ جس طرح چاہیں سوچیں، آپ آزاد ہیں۔ آپ نے شائستگی کے دائرے میں کیا کیا کہہ ڈالا ہے۔ میں اس کے سوا کیا کہوں ؎

تم نے اپنا کے مجھے غیر سے بدتر سمجھا
ایک تکلیف بڑھی اور زمانے کیلئے

یاسمین جی! جب آپ کو پیار اور محبت جیسی ظالم چیز کا اعتراف ہو ہی گیا تو بھلا میں کس خوش فہمی میں یا غلط فہمی میں مُبتلا ہونے کی جسارت کر سکتا ہوں۔ مجھے تو آپ سے ہمدردی ہے۔ آپ کی زندگی مصائب و آلام کا گہوارہ رہی ہے۔ بڑی دردناک ہے آپ کی گذری ہوئی کہانی ــــ کاش! میں بڑی بے مروت ہیں آپ! اپنی کہانی سُناتے سُناتے یہ کیوں کہہ دیا۔ "دوسروں کو اس سے کیا

واسطہ" مجھے دوسرا کہہ کر ذلیل کر رہی ہیں۔ ایسی باتیں اپنوں ہی سے کی جاتی ہیں اور اپنے ہر حالت میں اپنے ہوتے ہیں۔ دیکھو نا اوپر کا شعر بھی تو اسی کی ترجمانی کر رہا ہے۔ اسی کیفیت کی تفسیر!

کیا آپ اس حقیقت کو فراموش کر سکتی ہیں ہر چاہی جانے والی چیز حسین نظر نہیں آتی ؟ چاہے وہ اپنے آپ میں کوئی دلکشی، کوئی رعنائی رکھتی ہو یا نہ رکھتی ہو لیکن وہ اپنے پرستاروں کی نظروں میں کیا ہے؟ شاید اِس منطق کو آپ اُس وقت سمجھ سکتیں جب آپ اس منزل سے گذری ہوتیں! آپ کو معلوم ہوتا غیر کشش چیز بھی اپنے پرستاروں کے دل میں وہ مقام رکھتی ہے جس کی پرستش سے روح بے چین نظر آتی ہے۔ اس صداقت کو آپ جھٹلا نہیں سکتیں پیار انسان کو بے بس کر دینے والی ایک شے کا نام ہے۔ تاریخ شاہد ہے اُس نے ہمیشہ تخت و تاج کو ٹھکرایا ہے۔ ذات پات اور اونچ نیچ کی بلند دیواروں کو مسمار کیا ہے۔ آپ نے خود کو حقیر گردان کر مجھے صدمہ پہنچایا ہے۔ میرے خیال میں انسان کبھی حقیر نہیں ہوتا۔ حقیر تو ہم ہوتے ہیں جو حقیر باتیں کرتے ہیں۔ انسان تو خالق کائنات کی نادر تخلیق ہے ــــــ اس نے سب کو ایک برابر بنایا ہے۔ سارے انسان ایک جیسے ہیں ــــــ!

میں نے اس مختصر تحریر میں بہت کچھ لکھ ڈالا ہے پھر بھی ایسا محسوس ہو رہا ہے کچھ بھی نہیں لکھا۔ اس لئے کہ آپ نے مجھے زبردست امتحان ــــــ شدید اُلجھن ــــــ ایک نہ حل ہونے والی پہیلی ــــــ اور ایک نہ عبور ہونے والی خلیج میں ڈال دیا ہے۔ بڑی بے رحم ہیں آپ! پتھر کی طرح سخت! اسی لئے تو کہہ رہی ہیں میں نے آپ کا دل طنز کے تیروں سے چھلنی کیا ہے۔ میں تو پھولوں کے ساتھ تشدّد کو گناہ سمجھتا ہوں۔ وہ مُرجھا گئے تو کیا ہوگا؟ کیا کبھی وہ شاداب ہو سکیں گے؟ اِس لئے غلطی تسلیم ہے میں نے پوسٹ کارڈ لکھا۔ لفافہ نہیں۔ اس قصور کے لیے جو سزا مناسب ہو تجویز کر دیجئے، حاضر ہوں ۔

غیرتِ جوشِ جنوں جانے کہاں لے جاتی
تیری خوشبو نہ اگر ملتی گریباں کے قریب

ایک خطا کار

یاسمین کو خط لکھنے کے بعد زبیدی کو ایسا محسوس ہوا جیسے وہ قلم، کاغذ اور الفاظ کی جنگ لڑتے لڑتے تھک گیا ہو۔ اُسے سچ مچ یاسمین سے محبت، لگاؤ اور بے حد پیار ہو گیا تھا۔ وہ اُسے کسی طرح ناراض کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اسی لئے اُس نے انکسارانہ خط لکھ کر معافی مانگ لی تھی۔ اُس کی کوئی غلطی نہ تھی۔ اُس نے تو اب تک جتنی بھی باتیں اُسے لکھی تھیں وہ سچ تھیں۔ یہ بات ضرور تھی۔ خط و کتابت کے سلسلے نے ایک موڑ لے لیا تھا ـــــ زندگی کو اجیرن کر دینے والا جان لیوا موڑ! ایسا موڑ، جس سے واپس لوٹنا بھی مشکل تھا اور یاسمین تک پہنچنا بھی مشکل! محبت کے اس کھیل نے اُسے اتنا مجبور اور بے بس کر دیا تھا کہ کبھی کبھی تو وہ بستر پر لیٹے لیٹے سسکنے لگتا۔ وہ دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر لوٹتا جا رہا تھا۔ آج اُسے احساس ہونے لگا تھا اس طرح کی خط و کتابت کتنی جاں سوز اور اذیت ناک ہوتی ہے۔ ایسا ہی قصہ چند سال پہلے زیبی کے ساتھ گذر گیا تھا جس نے اُسے اتنا بڑا فریب دیا تھا جسے وہ زندگی کی آخری سانسوں تک نہ بھول سکے گا۔ یا سچ مچ وہ مجبور تھی، آج یاسمین کے محبت ناموں نے زیبی کے محبت ناموں کی بھی یاد دلا دی تھی۔ وہ زیبی کے خط پڑھ کر یہ پتہ لگانا چاہتا تھا کہیں یاسمین اُسے فریب نہیں دے رہی ہے۔ یہ سوچ کر اُس نے الماری سے زیبی کے سارے خط نکالے اور ترتیب سے پڑھنے لگا ـــــ اسی ترتب سے وہ جواب بھی اُس نے پڑھے جو اُس نے زیبی کو دیئے تھے۔ اُسے پہلا خط جو ملا اُس میں لکھا تھا۔

انجم صاحب! بیکراں عقیدت

بہت دن ہو گئے۔ آپ کا کوئی افسانہ پڑھنے کو نہیں ملا۔ ہر ماہ پابندی سے ماہنامہ "لگن" دیکھتی ہوں۔ لیکن آپ نظر ہی نہیں آتے۔ دل پریشان ہے۔ اللہ کرے آپ بخیر ہوں۔

منتظر جواب:۔ زیبی

زیبی کے مختصر خط نے انجم زیدی کے دل میں ہل چل مچا دی تھی۔ ایک لمحے کے لئے اُسے ایسا محسوس ہوا تھا جیسے خط میں کوئی طویل داستان پنہاں ہو۔ اُسے روزانہ ہی بہت سے خطوط ملتے رہتے

تھے جن میں اُس کے افسانوں کی تعریفیں ہوتی تھیں، تنقیدیں ہوتی تھیں اور بعض میں رومانی الفاظ کا ہجوم بھی! لیکن اتنا شدید طور پر اُسے کسی خط نے متاثر نہ کیا تھا۔ وہ جواب لکھنے بیٹھ گیا تھا۔

محترمہ زیبی! خلوص فراواں

آپ کا خط مل کر باعثِ مسرت ہوا۔ یاد فرمائی کے لئے ممنون ہوں۔ آپ نے مجھے میرے کوتاہ قلم ہونے کا احساس دلایا ہے۔ اس کے لئے مزید ممنون ہوں۔ بہت جلد آپ کی شکایت دُور کرنے کی کوشش کروں گا۔ اور آپ "فلگن" میں دیکھیں گی ــــــ "مجھے آواز دیتا ہے کون"

دیکھئے! دل کی پریشانی اچھی نہیں، اس سے صحت پر گہرا اثر پڑتا ہے۔ صحت کا خیال رکھئے!

مخلص:۔ انجم زیدی

خط پورا کرنے کے بعد انجم زیدی نے ایک بار سرگوشی کے انداز میں اُسے پڑھا تھا اور لفافہ میں رکھ کر اپنے آفس کے سامنے لگے ہوئے لیٹر بکس میں ڈال دیا تھا ــــــ کئی دن بعد اُسے جواب ملا تھا ــــــ

محترمی انجم صاحب! گلہائے خلوص

آپ کا خط موصول ہوا۔ پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔ اتنی خوشی کہ میں سارے دن عجیب سے تصورات میں کھوئی رہی اور آپ کی خیالی تصویر نظروں کے سامنے گھومتی رہی۔ رات کو اختر بھائی ریڈیو لے کر آئے تو سیلون سے آپ کی غزل نشر ہو رہی تھی جس کا یہ شعر دل میں اُتر گیا ؎

نہ مانگوں گا کچھ اور میں زندگی سے
جو مل جائے قسمت سے دامن تمہارا

جی چاہتا ہے آپ کو اتنا طویل خط لکھوں کہ پڑھتے پڑھتے گھبرا جائیں۔ لیکن ڈرتی ہوں کہیں اِس گھبراہٹ کے ساتھ خط و کتابت کا یہ دلچسپ سلسلہ ٹوٹ نہ جائے۔ میں نے سُنا ہے آپ کا ترتیب دیا ہوا کوئی مجموعہ "گل کدہ" شائع ہوا ہے ایک کاپی بذریعے وی پی ارسال فرما دیجئے گا۔ فوری وصول کر لوں گی۔

زحمت نہ ہو تو ایک دو تکیئے کے شعر تحریر فرما دیجئے گا۔ جی چاہتا ہے آپ کو اپنے ہاتھ سے تکیہ کاڑھ کر بھیجوں۔ مجھے شعر لکھے ہوئے تکیئے بہت پسند ہیں۔ یہ میری التجا ہے۔

اور ہاں! اپنی شریکِ حیات اور بچوں کے متعلق بھی لکھیئے۔

میرے دل کا آپ کو بہت خیال ہے! شکریہ! ـــــ اچھا اب رخصت!

آپ کی:۔ زیبی

خط پڑھنے کے بعد زیدی کا دل مسکرا اٹھا تھا اور پہلو میں ایک عجیب سی کسک تڑپنے لگی تھی۔ وہ زیبی کے خط کا جواب لکھنے لگا تھا ـــــ

زیبی صاحبہ! تسلیمات

آپ کا خط ملا۔ بچ جائیے دل مسرت سے جھوم اٹھا اور کچھ دیر کے لئے خط کی ایک ایک سطر زیبی بن کر نگاہوں میں سما گئی ـــــ یہ آپ سے کس نے کہہ دیا میں بیوی بچوں والا ہوں۔ ارے بھئی ابھی تو لوگ مجھے خود بچہ سمجھتے ہیں!

"گل کدہ" بھیج دیا ہے۔ ریڈیو پر جو غزل ۱۹ مئی کو نشر ہوئی تھی۔ وہ مجموعہ "گل کدہ" ہی سے ماخوذ تھی۔ پسندیدگی کے لئے ممنون ہوں۔ تکیئے کے دو شعر حاضر ہیں ؎

دل میں اُتر رہے ہیں من کو لبھا رہے ہیں
سوتے میں آپ کیا کیا جادو جگا رہے ہیں

رات کو جب دوسری بار آپ کا محبت نامہ پڑھتے پڑھتے سویا تو صبح دوسرا شعر کچھ اس طرح ہونٹوں پہ آگیا ؎

کسی کی زلفوں کے سائے میں ایسی نیند آئی
کہ صبح ہو گئی شب کا خمار باقی ہے

چند باتیں

"دامِ تحریر" خطرناک بھی ہوتا ہے، دل سوز بھی!
پریشان کُن بھی ہوتا ہے، خوشگوار بھی ـــــ!

اِس دام میں جب زندگی گرفتار ہوتی ہے تو سارا وجود تلخیوں کی نذر ہو جاتا ہے۔ اور کبھی اتنی خوشگوار کہ زندگی پھولوں، خوشبوؤں اور روشنیوں کا گہوارہ بن جاتی ہے۔ اسی لئے تو تحریریں قاتل ـــــ تحریریں ظالم ـــــ تحریریں عاقل ـــــ تحریریں بالغ ـــــ تحریریں بہار آفریں ہوتی ہیں۔ ان رنگا رنگ تحریروں کو احاطۂ قلم کرنے کے لئے میرے دل میں ایک دیرینہ تمنّا! ایک دیرینہ آرزو تڑپ رہی تھی کہ ان تحریروں کو ناول میں قید کروں! ـــــ اب یہ ناول آپ کے روبرو ہے۔ یہ کس طرح وجود میں آئی؟ اسے آپ خود جان لیں گے!

آپ کا: ـــــ جلیس سہسوانی
سہسوان (بدایوں) ۲۴۳۶۳۸ یو۔پی

دیکھئے التجا پوری کر رہا ہوں۔ اب گلہ نہ کیجئے گا۔ لیکن..... لیکن ــــ کچھ نہیں!

تمہارا:ــ انجم زیدی

انجم زیدی خط پوسٹ کرنے کے بعد کرسی کے تکیئے سے ٹیک لگا کر سوچنے لگا تھا۔ کیا سچ مچ زیبی کو اُس سے پیار ہو گیا ہے؟ کیا وہ اُس سے محبت کرنے لگی ہے؟ کہیں وہ بھی تو اُن لڑکیوں کی طرح اسے فریب نہیں دے رہی ہے جو اُس کی زندگی میں آکر اور سراب دکھا کر چلی گئی تھیں۔ وہ عشق و محبت کے رنگین خواب سے ڈرنے لگا تھا۔ اس لئے اُس نے رومان انگیز خطوط کو لفٹ دینا چھوڑ دیا تھا اُس نے اپنی ساری توجہ ادبی کاموں پر مبذول کر دی تھی۔ وہ اِس معاملے میں بہت سنگدل ہو گیا تھا ــ اُسے انتہائی حیرت ہو رہی تھی پھر زیبی کے خطوط نے اُس کے عزم میں شگاف کیوں ڈالا؟ وہ زیبی کی طرف کیوں مائل ہوا؟ اِس کا اُس کے پاس کوئی جواب نہ تھا ــ خط و کتابت جاری رہی۔

ڈیئر زیدی! بیکراں محبت

آپ کا محبت کی خوشبو میں ڈوبا ہوا اور طنز سے بھرا ہوا خط ملا۔ اس لئے کہ جناب ابھی تک خود کو بچوں کی صف میں سمجھتے ہیں۔ سچ بھی ہے مجموعہ میں جب آپ کی تصویر دیکھی تو یقین جانئے ایسا محسوس ہوا جیسے ابھی آپ بہت معصوم بچے ہیں! کچھ نہ جانتے ہوں گے۔ لیکن جب خط پڑھا تو اُس کی دلکشی میں کھو گئی۔ اور شعروں نے تو آپ سے اتنا قریب کر دیا کہ بس جی چاہتا ہے پر لگ جائیں اور اڑ کر آپ کے پاس پہنچ جاؤں ــ کاش! آپ میرے قریب ہوتے ــ یہ مسکراتا ہوا چاند اور سرگوشیاں کرتے ہوئے ستارے میری تنہائی پر کیسا طنز کر رہے ہیں۔ پھر یہ تنہائی کی راتیں بھی تو بہت طویل ہوتی ہیں انجم صاحب! میں بہت ہی کم نصیب یا یوں کہئے بدنصیب بن کر اس دنیا میں آئی ہوں۔ ایک بوڑھی ماں اور کمسن بھائی کے سوا میرا کوئی نہیں ہے۔ میرے ساتھ ابھی کچھ دن پہلے ایسا حادثہ گذر چکا ہے جسے لکھ کر آپ کے اور اپنے لئے تلخی پیدا کرنا نہیں چاہتی۔ میونسپلٹی کے ایک پرائمری اسکول میں

میں مسٹریس ہوں۔ کسی طرح گذر بسر ہو جاتی ہے۔

انجم صاحب! آپ کے خط پر فیضؔ کے شعر کا یہ مصرعہ ـــــ "ٹھانی تھی دل میں اب نہ ملیں گے کسی سے ہم" پڑھ کر دل مایوس ہو گیا ہے۔ کہیں آپ عزم کئے نہ بیٹھے ہوں۔ کیا سچ مچ آپ نے ایسی ٹھان لی تھی؟ پھر بھی جسارت کر رہی ہوں۔ اُمید ہے مایوس نہ فرمائیں گے۔ میں اپنے محبوب فنکار کے جذبات و احساسات سے بہت متاثر ہوئی ہوں۔ ان جذبات کو بہت ہی قریب سے دیکھنا چاہتی ہوں اپنے گھر کے سُونے آنگن میں اُس سے ملنا چاہتی ہوں۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا آپ اپنے قیمتی وقت میں سے کسی دن تھوڑا سا وقت نکال کر مجھ تک پہنچ جائیں؟

خط کا جواب دینے میں جان بوجھ کر تاخیر کر رہی ہوں۔ انتظار سے جس طرح میں لطف اندوز ہو رہی ہوں اُس سے آپ آشنا رہیں۔ کیا بتاؤں میرے محبوب! اس سے پہلے مجھے انتظار کی حقیقت معلوم نہ تھی۔ میں اکثر اپنی سہیلیوں سے یہ کہہ کر ان کا مذاق اُڑایا کرتی تھی۔ کیسی محبت! کیسا عشق! اور کیسا انتظار! لیکن اب مجھ پر انتظار کی حقیقت ظاہر ہو گئی ہے۔

آپ کے قلم کی سحر طرازیاں ماہنامہ "پاسبان" میں شائع کہانی "انگوٹھی کی قیمت" میں دیکھیں۔ مجھے یہ کہانی بہت پسند آئی۔ کامیاب تخلیق ہے۔ آپ نے مرد کے ذریعے عورت کے بھرم کی جو لاج رکھی ہے وہ قابل قدر ہے۔ اس افسانے میں مرد کا کردار جسے عورت کا ضمیر خریدنے کی کوشش کرتا ہے بہت عظیم ہے۔ اس لئے کہ یہی عظیم مرد اُسے ایک جگہ رُسوا اور برباد ہونے سے بچاتا ہے تو دوسری جگہ پڑے اور اُس کی پیش کش کو ٹھکرا کر عورت کے ناموس اور مرد کے وقار کو عظیم بناتا ہے ـــــ جناب اس اصلاحی افسانے کی تخلیق پر مبارک باد قبول فرمائیے ـــــ اچھا اب چلتے چلتے آپ ہی کا ایک شعر آپ کی نذر کر رہی ہوں ؎

وہ ہر لمحہ رہ رہ کے یاد آ رہے ہیں
شب و روز احساس پر چھا رہے ہیں

مشتاق دید:۔ آپ کی زیبی

انجم زیدی کو نیند نہیں آرہی تھی۔ وہ ہر کروٹ پر زیبی کا ایک خط پڑھ رہا تھا۔ اُسے اُن پرانے خطوط میں نئی خوشبو کا احساس ہو رہا تھا جو اُس کے دل، دماغ اور سارے وجود کو معطر کر رہی تھی۔ پڑھتے پڑھتے اُس نے نظر اٹھا کر مرکری ٹیوب سے کھیلتے ہوئے پروانوں کو دیکھا۔ وہ ٹیوب سے ٹکرا ٹکرا کر نیچے گر رہے تھے۔ لمحہ بھر کے لئے اُسے اُن پروانوں کی بے بسی پر ترس آگیا۔ وہ سوچنے لگا۔ میں بھی اِن پروانوں کی طرح ہو گیا تھا۔ جو زیبی کو بے دیکھے دُور ہی سے پوجنے لگا تھا؛ یہ دل بھی کتنا ناسمجھ ہے جب کسی کو چاہتا ہے تو چاہے ہی جاتا ہے۔ جس طرح یہ پروانے شمع کے عشق میں دیوانے ہو کر مرے ہی جا رہے ہیں! ــــ کہاں تک سوچوں اِس عشق کے متعلق؟ یہ کہہ کر وہ زیبی کے خط کا جواب پڑھنے لگا۔

زیبی صاحبہ! سلامِ خلوص

آپ کا خوشبوؤں سے معطر خط ملا۔ بے انتہا مسرت ہوئی۔ خط کیا ہے۔ خوشیوں، تمناؤں، حسرتوں اور آرزوؤں کی کہکشاں ہے۔ جی چاہتا ہے اس رنگین تحریر کو دل میں سمیٹ لوں اور اس کی خوشبوؤں کی لذت سے لطف اندوز ہوتا رہوں! اس لئے کہ بہت انتظار کے بعد ملا ہے۔ پھر اِسے کس دل سے جُدا کروں؟

افسانہ کی پسندیدگی کے لئے آپ نے جن خیالات و افکار کا اظہار فرمایا ہے وہ بہت ہی گراں قدر ہے! اس کے لئے دل سے قدرداں ہوں۔ سچ تو یہ ہے میرے افسانوں کو جو رنگا رنگ تزئین و آرائش میسّر ہوئی وہ آپ سے ہوئی!

کوشش کروں گا آپ کے گھر کے سُونے آنگن میں ملنے کی! خدا کرے آپ خیریت سے ہوں۔ جواب کا بے چینی سے انتظار کروں گا۔

خلوص:-

انجم زیدی

انجم زیدی نے انگڑائی لے کر گھڑی دیکھی۔ تین بج رہے تھے۔ مرکری ٹیوب سے پروانے اب بھی ٹکرا ٹکرا کر نیچے گر رہے تھے۔ وہ زیبی کا آخری خط بھی نکال کر پڑھنے لگا۔

پیارے زیدی! سلامِ محبت

خط ملا۔ آپ بہت دلچسپ ہیں۔ یقین جانئے آپ کی خوش رنگ و دلکش تحریر نے مجھے بے چین کر دیا ہے۔ جی چاہتا ہے بے تاب بُلبُل کی طرح پھڑ پھڑا اُڑکر آپ کو ڈھونڈتی ہوئی آپ کے پاس پہنچ جاؤں۔ یہ میری حسرت ہے میرے ہمدم! دیکھئے کب تشریف لاتے ہیں۔ ۲۵ تاریخ کو دوپہر تک آپ کا اِس طرح انتظار کروں گی ؎

اے بادِ صبا کچھ تو نے سُنا مہماں جو آنے والے ہیں
کلیاں نہ بچھانا راہوں میں ہم آنکھیں بچھانے والے ہیں

سراپا انتظار:۔ زیبی

خط پڑھنے کے بعد زیدی سوچنے لگا وہ کتنا معصوم اور فریب میں آنے والا ہے کتنی جلدی وہ اِن حسینوں کے دام میں آجاتا ہے۔ کتنا بڑا دھوکا، کتنا بڑا فراڈ کیا زیبی نے اُس کے ساتھ! اگر وہ پہلے لکھ دیتی، وہ شادی شدہ ہے تو کیا ہو جاتا؟ ـــــ لیکن ہاں! ایک بار اُس نے اپنے خط میں ہلکا سا اشارہ کیا تو تھا۔ شاید مجھے غم ہوگا اِس خیال سے اُس نے زبان روک لی تھی۔ اور پھر وہ اپنے شوہر کو زندہ ہی کب سمجھ رہی رکھتی۔ کتنے ارمان، کتنی حسرتیں لے کر پہنچا تھا وہ اُس کے شہر میں!

جیسے ہی وہ اُس کے گھر کے سامنے پہنچا تھا۔ سامنے ہی کمرے میں زیبی بیٹھی تھی۔ سیلنگ فین کی ہوا میں اُس کے خشک کالے کالے بال اُڑکر اُس کے چہرے کی چلمن بن رہے تھے۔ اُس کے گورے گورے رنگ اور کالی کالی بڑی پرکشش آنکھیں دیکھ کر وہ کچھ دیر کے لئے کھو سا گیا تھا۔ اور جب واپس لوٹا تھا تو گھبرا کر زیبی کے سامنے بیٹھے ہوئے وجیہہ نوجوان کی طرف دیکھا تھا۔

"اوہ! ـــــ آئیے آئیے! بندہ نواز!" زیبی جلدی سے بولی تھی ـــــ "ہم لوگ صبح سے آپ ہی کا انتظار کر رہے تھے۔"

"جی!" وہ کچھ کہہ نہ سکا۔ خاموش کھڑا حیران سا، کبھی زیبی اور کبھی اُس نوجوان کو دیکھ رہا تھا۔ وہ پھر بولی تھی ـــــ "بیٹھئے نا! یہ ہیں میرے شوہر مسٹر انور جو کل ہی واپس آئے ہیں۔" اُس نے زیدی کی طرف دیکھ کر انور سے کہا ـــــ "اور یہ ہیں مسٹر انجم زیدی جو خط کے ذریعہ میرے غم کو بانٹتے رہے ہیں ـــــ قدم قدم پر مجھے سہارا دیتے رہے ہیں ـــــ اصل بات یہ تھی انجم صاحب! انور صاحب پانچ سال سے کویت میں تھے۔ انھوں نے ایک سال پہلے مجھے ایر گرام بھیجا تھا یہ ایر انڈیا کے پلین سے شام سات بجے دہلی پہنچ رہے ہیں اور اگلے دن صبح میرے پاس بجنور پہنچ رہے ہیں۔ میں ان کی آمد کا خیال کر کے بہت خوش ہو رہی تھی۔ لیکایک ریڈیو پر اطلاع ملی کویت سے شام سات بجے دہلی پہنچنے والا طیارہ حادثہ کا شکار ہو گیا۔ اس خبر نے میرے دل و دماغ اور سارے وجود کو جھنجھوڑ ڈالا۔ میں پاگل سی ہو گئی۔ دنیا مجھے سُونی سُونی اور اندھیری نظر آنے لگی۔ مجھے زندگی سے نفرت اور بیزاری ہونے لگی۔ مجھے مہینوں انور کا پتہ ہی نہ چلا۔ مجھے پورا یقین ہو گیا وہ اس حادثہ کا شکار ہو گئے۔ روتے روتے میرے آنسو خشک اور زندگی اجیرن ہو گئی۔ میں اپنے آپ سے بے خبر ہو گئی۔ ان دنوں میری سہیلی زیتون ماہنامہ "فگن" منگایا کرتی تھی۔ وہ میرے خیالات اور غم سے چھٹکارا دلانے کے لئے مجھے "فگن" پڑھنے کے لئے دے جایا کرتی تھی۔ اُس میں آپ کے افسانے زیادہ شائع ہوتے تھے۔ آپ کے ایک افسانہ سے میں بے حد متاثر ہوئی۔ اور میں آپ کو خط لکھنے پر مجبور ہو گئی آپ نے بے حد پُر اثر انداز میں میرے خط کا جواب دیا۔ اور پھر؟ .... پھر خط و کتابت کا یہ سلسلہ طویل ہوتا گیا۔ میں انور کو بھولتی گئی۔ اور آپ کے قریب ہوتی گئی۔ اتنی قریب! اگر آپ نے سہارا نہ دیا ہوتا تو میں

[illegible]

آنے کا پروگرام کینسل کر دیا۔ اور یہ اُن دنوں کمپنی کے کاموں سے کویت کے مختلف شہروں میں چکر لگاتے رہے۔ یہ اتنے مصروف ہو گئے کہ مجھے خط بھی نہ لکھ سکے اور نہ میرے خطوں کا جواب دے سکے۔" اتنا کہہ کر اُس نے گہری سانس لی تھی۔ اور لمحہ بھر خاموش رہنے کے بعد پھر بولی تھی ـــــ "انجم صاحب! میں آپ کی بہت بہت شکر گذار ہوں آپ نے مجھے زندہ رہنے کا حوصلہ دیا۔"

"ہاں! ـــــ" انجم زیدی کھڑا ہو گیا تھا۔

"ارے! بیٹھئے نا! یہ چائے؟" زیبی نے حیرت سے اُسے دیکھ کر کہا تھا۔ اور اُس نے پھیکے مسکراہٹ کے ساتھ پھیکی نظروں سے پہلے انور پھر زیبی کو دیکھا تھا۔ اُس کے دل کو ایک دھکا لگا تھا۔ اور جذبات مجروح ہو گئے تھے۔ وہ خشک گلے سے بولا تھا ـــــ "شکریہ!"

اور ایک شرابی کی طرح لڑکھڑاتے قدموں سے واپس چلا آیا تھا۔

وہ زیبی کے خط پڑھنے کے بعد بھی کسی نتیجے پر نہ پہنچا تھا۔ وہ جاں سوز واقعہ اُس کی نظروں کے سامنے اس طرح گھوم رہا تھا جیسے کل کی بات ہو۔ پھر بھی یاسمین کی محبت کا جادو اُس کے ذہن پر یونہی چھایا رہا۔ زیبی کے پاس سے اپنے دل پر جو زخم لے کر آیا تھا اُس کا بار بار خیال کرنے کے باوجود وہ اپنے احساس سے یاسمین کا خیال دُور نہ کر سکا۔ وہ نہ جانے کیسے کیسے احساسات میں کھویا رہتا اگر گھڑی نے ٹن ٹن ! ! کر کے سات نہ بجائے ہوتے۔ وہ جلدی سے اٹھا اور نہا دھو کر ناشتہ کر کے ڈسپنسری چلا گیا۔ وہاں سے گیارہ بجے آفس پہنچا وہاں دوسرے خطوط کے ساتھ یاسمین کا لفافہ اُس کا انتظار کر رہا تھا۔ اُس نے پہلے اُسے ہی کھول کر پڑھا۔

میرے اپنے انجم زیدی! محبت و عقیدت

آپ کا ارسال کیا ہوا شکایت نامہ ملا ـــــ معاف کر دیجئے نا اپنی یاسمین کو! میں سارے الزامات واپس لیتی ہوں۔ میں نے آپ کا کارڈ عجلت میں پڑھا تھا اسی لئے تلخی محسوس ہوئی۔ لیکن جب

آپ کے حکم کے بموجب دوبارہ پڑھا تو محبت ہی محبت نظر آئی ـــــ دیکھئے نا! کتنے وہ ہیں آپ مجھے پھر ادیبہ لکھ کر طنز کر دیا۔ ناراض ہو جاؤں گی تو پھر شکایت کریں گے آپ!

آپ میرے معیار پر پورے اترے ہیں۔ کچھ بھی کہئے میں آپ کی چاہت و محبت کی قدر کرتی ہوں۔ اس کا ثبوت میرا سر جھکانا ہے۔ اور کیا ثبوت پیش کر سکتی ہوں۔ میں نے آپ کے لئے بہت کچھ فراموش کر دیا ہے ع

تم نے جو مسکرا دیا ہم نے بھی سر جھکا دیا

انجم صاحب! میں آج بہت خوش ہوں۔ اتنی خوش آپ میرے پاس ہوتے تو سچ مچ آپ سے لپٹ جاتی! آپ جو بھی کچھ سوچیں، میرا تو سر تسلیم خم ہے۔

کیا امی محترمہ آپ کے پاس رہتی ہیں؟ اب تو وہ میری بھی امی ہیں۔ آپ کچھ بتائیے اپنے بارے میں! کتنے بہن بھائی ہیں آپ؟ ہاں! میرا رزلٹ آگیا ہے۔ خدا کے کرم اور آپ کی دعا سے پاس ہو گئی ہوں۔ اب سوال ہے آگے کیا کروں؟

کل ماہنامہ "بانو" دہلی میں آپ کی نظم "بیوہ کا شکوہ" پڑھی، اس کا ہر بند دل میں گھر بناتا چلا گیا انجم صاحب! یہ بیوگی بھی کتنی جاں سوز چیز ہوتی ہے۔ خدا کسی کو یہ دن نہ دکھائے۔ خاص طور سے جوانی میں! زندگی عذاب بن جاتی ہے۔ موت سے بدتر ہو کر رہ جاتا ہے سارا وجود۔ ساری اُمنگیں، ساری خوشیاں سینے میں گھٹ گھٹ کر دم توڑ دیتی ہیں۔ انسان مہر بہ لب ہو جاتا ہے۔ کوئی شکوہ، کوئی شکایت کی ہی نہیں جا سکتی۔ آپ نے فرمایا ہے ؎

یا دیارب میں تجھے شام و سحر کرتی ہوں
تجھ کو معلوم ہے میں کیسے گذر کرتی ہوں
زندگی اپنی میں رو رو کے بسر کرتی ہوں
جُرمِ تکفیر ہے میں شکوہ اگر کرتی ہوں

بڑی دردناک بن جاتی ہے میرے محبوب یہ زندگی! جس کی عکاسی کرنے میں یقیناً آپ کا دل، آپ کا دماغ، اور آپ کا قلم کانپا ہوگا۔ آپ نے ہر بند میں اتنا تاثر دیا ہے کہ آنسو نکل آتے ہیں۔ اور ایسا محسوس ہوتا ہے قاری خود اِس نمناک دَور سے گذر رہا ہے۔ اور وہ اُس ماضی کو یاد کر کے بلک رہا ہے جو کبھی اُس کی زندگی میں خوشیوں کا پیغام بن کر آیا تھا۔ کتنا یاس انگیز سماں ہے یہ ؎

میری دنیا کبھی مجبورِ مسائل تو نہ تھی
زندگی یوں مری پابندِ سلاسل تو نہ تھی
غم کی خوگر نہ تھی، آلام کا حاصل تو نہ تھی
سر پہ اب آٹھوں پہر کوہ الم کیا معنی؟
اس سے پہلے مری راہوں میں یہ منزل تو نہ تھی

کون سنگدل انسان ہوگا جو اِن اشعار کو پڑھ کر غم و اندوہ میں ڈوب نہ جاتا ہوگا۔ کتنا تقدس، کتنی پاکیزگی اور کتنا جاں گسل احساس بیدار ہو جاتا ہے اِن اشعار کو پڑھ کر! تلقین، صبر و قناعت اور توکل کا جو نمونہ بیوہ کے شکوہ میں جھلکتا ہے وہ قابلِ داد و تحسین ہے۔ اندھی تقلید پر چلنے والا زمانہ یہی چاہتا ہے اُس کے شوہر کے ساتھ اُس کی خوشیاں، اُس کا آرام، اُس کی آسائش سب مر جائیں، سب مٹ جائیں۔ وہ مجسّم یاس، حسرت اور ارمان کی تصویر بن جائے ـــــ جیسے ؎

خود کو زینت کے لئے وقفِ تخیّل نہ کرو
موسمِ گل میں بھی تم تذکرۂ گل نہ کرو
کبھی تقلیدِ فغاں لبِ بلبل نہ کرو
لوگ کہتے ہیں مجھے مرضیِ مولیٰ ہے یہی
فاقہ کش بن کے رہو، کچھ بھی تناول نہ کرو

آہ! کیسے کیسے لوگ ہیں! خدا تعالیٰ کا جھوٹا حکم بتا کر پابندیوں کی زنجیر میں قید کر دیتے ہیں! یہ نہیں سوچتے پابندیاں ظلم و تشدد کا نام ہے۔ اور ظلم و تشدد کرنے والے خدا کے مجرم ہیں، ہاں اگر دلجوئی صبر، قناعت کی باتیں کی جائیں اور اُس کارحمان خالقِ عالم کی طرف موڑنے کی کوشش کی جائے تو بات بنتی ہے۔ غم کافی حد تک ہلکا ہو جاتا ہے۔ جس طرح آپ نے کہا ہے ؎

ظلمتِ شب سے عیاں نورِ سحر بھی ہوگا
کبھی یارب میری آہوں میں اثر بھی ہوگا
صبر کا میرے کوئی میٹھا ثمر بھی ہوگا
ترکِ اُمید کرم بھی تو خطا ہے مولیٰ!
کیا کبھی اچھا میرا درجگر بھی ہوگا؟

کتنا دل خراش منظر گھومتا ہے بیوہ کی نظروں میں! اُسے سارا ماحول ہی بیوہ نظر آتا ہے۔ وہ چیخ اُٹھتی ہے ؎

میں انوکھی، وہ نرالی، یہ اکیلی بیوہ
مرے بچپن کی ہے اک ایک سہیلی بیوہ
اپنی تقدیر کی ہر ایک پہیلی بیوہ
بیوگی سارے گلستاں میں نظر آتی ہے
سیوتی بیوہ، جوئی بیوہ، چمیلی بیوہ

ڈیئر انجم صاحب! آخری بند میں آپ نے جو بیوہ کو معبودِ حقیقی کے حضور میں سربسجود دکھایا ہے نہایت تاثر انگیز ہے ؎

مری بگڑی کا بنانا تجھے مشکل تو نہیں
غم کے ماروں کے تو حالات سے غافل تو نہیں

مرا شکوہ کوئی بے جا، کوئی باطل تو نہیں
پار بیڑے کو مرے اب تو لگا دے معبود!
دُور رحمت سے تری دامنِ ساحل تو نہیں

آپ کی یہ نظم گراں قدر تخلیقات میں شمار کئے جانے کے لائق ہے۔ مجھے بہت پسند آئی۔ کاش! آپ یہاں ہوتے! ـــــ میں نے اِس نظم کے بارے میں جو کچھ بھی لکھا ہے دل سے لکھا ہے۔ کل جو خط پوسٹ کروں گی اُس میں آپ کے مضمون "اورنگ زیبؒ کی نورِ نظر زیب النسا مخفی" کے بارے میں لکھوں گی۔ یہ مضمون بھی مجھے بہت پسند آیا ہے ـــــ!

آپ کی تازہ تصویر دیکھنے کی آرزو ہے ـــــ! آپ کی:- یاسمین ضیاءؔ

زیدی نے خط پڑھ کر گہری سانس لی۔ اور اپنی نظم "بیوہ کا شکوہ" کے بارے میں یاسمین کی تفصیلی اور جامع رائے پڑھ کر اُسے حیرت ہوئی۔ اُس نے اُس کی نظم پر بڑی خوبی سے اظہارِ خیال کیا تھا۔ اُس کا دل اُس کی تحریر دیکھ کر مچل اُٹھا۔ وہ سب بھول کر اُسے خط لکھنے کے لئے بے قرار ہو گیا۔

پیاری ادیبہ! سلامِ محبت

خلوص نامہ مل کر موجبِ مسرت و تسکین ہوا ـــــ! اپنوں سے معافی کیسی؟ پھر بھی چلئے معاف کر دیا۔ اور کوئی حکم؟ ع

اس دل کی کائنات ہے تیری نظر کے ساتھ

تم نے اپنا مقدس سر محبت کے قدموں میں جھکا دیا ہے ـــــ کاش! یہ سر میرے قریب ہوتا تو میں اسے فرطِ جذبات سے چوم لیتا! میرا دل تمہیں بار بار ادیبہ کہنے کو چاہ رہا ہے۔ تم ادیبہ نہ ہوتیں تو میری نظم پر اتنا خوبصورت تبصرہ کیسے لکھتیں۔ اور پھر تمہیں ادیبہ کہنے سے مجھے ایک دلی لذت، ایک خاص اپنائیت کا احساس ہوتا ہے۔ اِس کے ساتھ ایک غلطی اور بھی کر رہا ہوں "آپ" کی جگہ "تم" لکھ رہا ہوں۔ جس سے

اظہارِ خیال

علی جواد زیدی

ڈاکٹر جلیس سہسوانی ضلع بدایوں کے اُس مردم خیز خطّے میں جسے حوادثِ روزگار نے اُس کی سابقہ تابانیوں سے ایک حد تک محروم کر دیا ہے، اب بھی علم و ادب کی شمع روشن کئے ہوئے ہیں۔ اور کم و بیش تیرہ برس سے اِس کساد بازاری کے دَور میں رسالہ "گل کدہ" استقلال مزاج کے ساتھ نکال رہے ہیں اور اس کاروبار میں بہت کچھ سرمایہ تباہ اور قیمتی وقت صرف کر چکے ہیں۔ ادبی صحافت کے علاوہ، ادب اُردو کی ترقی و بہبود کے لئے نئے گوشے بھی نکالتے رہتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ تخلیقی کاموں میں بھی مشغول ہیں۔ اس طرح انہیں فنافی الادب کہا جا سکتا ہے۔ یہی ایک لگن ہے جو انھیں ان کاموں میں مصروف رکھتی ہے اور چونکہ اُن کے نام کے ساتھ ڈاکٹر کی صفت بھی اکثر جوڑی جاتی ہے اس لئے گمان ہے طبابت بھی اُن کا محبوب مشغلہ ہے۔

ادبی صحافت کے علاوہ شاعری، افسانہ نگاری اور ناول نویسی ان کی محبوب اصناف ہیں۔ افسانوں کا تو ہمارے یہاں انبار ہے۔ اور شاعری اِس معاملے میں غالباً قوی تر حریف ہے دونوں ہی کا تعلق بڑی حد تک حسن و عشق سے ہے اور دونوں ہی کے بارے میں اقبالؔ نے کہا تھا ؎ ہند کے شاعر و صورت گر و افسانہ نویس ✱ آہ بیچاروں کے اعصاب پہ عورت ہے سوار

اُن کے ذہن میں ایک خاص قسم کی شاعری اور افسانہ نویسی تھی جو اعصاب زدہ ہو کر رہ گئی تھی لیکن حُسن و عشق کو موضوع بنانے کی حد تک سبھی کو اس سے لگاؤ تھا۔ اِس میں صاف نظر کم اور بلہوس زیادہ تھے اور ہر بلہوس نے حُسن پرستی شعار کی۔ وہ کونسا رطب و یابس ہے جو ماہ بہ ماہ رسائل اور چھوٹے بڑے مجموعوں کی شکل میں جمع نہیں ہوتا رہتا۔ جلیسؔ سہسوانی خود اس تیز رفتاری اور نتیجے پر بے راہ روی کے قائل نہیں ہیں بلکہ چھان پھٹک کے اپنا موضوع چُنتے ہیں اور پست، سطحی اور مبتذل معیاروں سے حتی الوسیع گریز کرتے ہیں۔ حتی الوسیع کی شرط اس لئے لگا رہا ہوں کہ آج کل مجبوراً بھی بہت کچھ کرنا پڑتا ہے اُن کے کردار عام زندگی کی نمائندگی کرتے ہیں اور بلند و پستی سے گذرتے ہوئے منزلِ مقصود کی طرف بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں، سنبھلتے ہیں، گرتے ہیں۔ رہی شکست و فتح کی بات تو وہ بقول میرؔ نصیبوں سے ہی اور سائنس کی زبان میں اتفاقات یا تاریخی اور سماجی عوامل کا نتیجہ!

جلیسؔ سہسوانی کے طرزِ اظہار میں روانی اور شگفتگی ہے۔ کہیں کہیں وہ ہلکے طنز کا بھی سہارا لیتے ہیں۔ مجموعی طور پر مسلّم ادبی روایت کو ساتھ لے کر چلتے ہیں۔ وہ اس ناول میں بھی اپنے کردار انجمؔ کی زبانی کہلواتے ہیں۔ "انداز بیان بھی اچھوتا ہے، زبان شستہ ہے اور کہانی بھی سیدھی سادی ہے۔ پیچیدگیوں سے دامن کو بچایا ہے۔" اس میں اُن کے عام رویّے کی جھلک پائی جاتی ہے ——— "دامِ تحریر" کے بارے میں بھی یہی کہا جا سکتا ہے۔ خطوں کے ذریعے اظہارِ تمنّا قدیم طریقہ ہے۔ جس دَور میں آزاد ملنے جلنے کے مواقع حاصل نہ تھے، لوگ پیامبروں اور نامہ بروں کو وسیلۂ اظہار بناتے تھے۔ اُردو شعراء نے نامہ بری کے تمام پہلو واضح کئے ہیں اور نامہ ہائے

اجنبیت کی ہلکی سی دیوار بھی ہمارے درمیان حائل نہ رہے۔

میری ہمدم! مجھے نہیں معلوم یہ کونسا جذبہ، کونسی کشش ہے جس نے نہ چاہتے ہوئے بھی مجھے تمہاری طرف بے اختیار مائل کر دیا ہے۔ مجھے اس کا شدید احساس ہے تم صرف میری چاہت و محبت کی قدر کرتی ہو۔ مجھے تم سے والہانہ پیار ہے۔ لیکن ؎

سمجھو یہی کہ تم سے محبت نہیں مجھے
کچھ بدگمانیاں بھی ضروری ہیں پیار میں

یقین جانو یاسمین! تمہیں خوش اور بہت خوش جان کر بے حد شادمانی ہوئی۔ اللہ کرے تم ہمیشہ اسی طرح شادماں پھولوں کی طرح مسکراتی رہو۔ اور میں؟ ..... میں اس مسکراہٹ کی خوشبو سے مہک مہک جاؤں! اے خدا! کیا میرے کشکول میں یاسمین ڈال دی جائے گی؟ ڈرتا ہوں کہیں میری محبت آنسوؤں اور آہوں کے درمیان سسکتی نہ رہ جائے!

میرے بارے میں کیا جاننا چاہتی ہو؟ ـــــ والدہ ہیں، بھائی ہیں اور ایک بہن بھی۔ والد بہت پہلے اللہ کو پیارے ہو گئے تھے۔ میں ماموں کے پاس رہتا ہوں۔ یہی مختصر روداد ہے میری۔

امتحان میں کامیاب ہو گئیں یہ جان کر بہت خوشی ہوئی۔ اللہ کرے اور کامیابیاں نصیب ہوں۔ اس کے بعد میڈیکل کالج یا طبیہ کالج میں ایڈمیشن لے سکتی ہو! میں ہر طرح تمہارے ساتھ ہوں۔ میں ہر طرح تمہاری مدد کروں گا۔ اس لئے کہ تم میری ہو نا!

تازہ تصویر حاضر ہے اور تمہاری تازہ تصویر نہیں ملی؟

میری نظم "بیوہ کا شکوہ" پر تم نے جو تبصرہ کیا ہے وہ بہت پسند آیا ـــــ شکریہ!

صرف تمہارا:۔ انجم زیدی

انجم زیدی ہزار کوشش کے باوجود کہ وہ یاسمین کا خط کل پڑھے گا۔ لیکن جب اُسے خط مل جاتا تو وہ اُسے

کھول کر پڑھنے کے لئے مجبور ہو جاتا۔ اُس نے میز سے لفافہ اُٹھا کر کھولا ـــــ

میرے محترم انجم صاحب! عقیدت کے پھول!

نوازش نامہ ابھی ابھی ملا۔ یاد فرمائی کا ـــــ شکریہ!

میرے ایک خط کا جواب ندارد ہے۔ کیوں؟ میں نے تو اپنی سہیلی کے ہاں شادی میں جانے کا پروگرام بھی کینسل کر دیا ہے۔ گھر پر ہی رہ کر خط کے جواب کا انتظار کر رہی ہوں۔ لیکن آپ تو بھولتے جا رہے ہیں۔ میں تو ڈر گئی تھی کہیں میری کوئی بات بُری نہ لگ گئی ہو۔ میں نے سوچا تھا اپنے یہاں ہونے والے مشاعرے میں آپ کو بلواؤں لیکن نہ جانے کیوں جُرأت نہ ہو سکی۔ دل چاہ رہا تھا آپ کی آواز سُنوں۔ اور آجاتے تو دیکھ بھی لیتے اپنی یاسمین کو! خدا کی مرضی ایسی ہی تھی دیدار نہ ہو سکا۔ سُنا ہے آپ کے ہاں آل انڈیا مشاعرہ ہونے والا ہے۔ کن کن شعراء کو بُلوا رہے ہیں؟

ایک بات بتائیے! لیڈیز کا اسٹیج پر آنا آپ کو کیسا لگتا ہے؟ میں دقیانوسی خیالات کی نہیں ہوں ـــــ آپ نے شعر لکھا ہے میں سمجھ رہی ہوں آپ کو مجھ سے محبت نہیں۔ یہ میری بدگمانی نہیں حضور! آپ کی ہو سکتی ہے میں حاضر ہوں ؎

مہرباں ہو کے بلا لو مجھے چاہو جس دم
میں گیا وقت نہیں ہوں کہ پھر آ بھی نہ سکوں

اب قلم چلنے سے انکار کر رہا ہے۔ پھر بھی میں اپنے محبوب کے مضمون "اورنگ زیبؒ کی نورِ نظر زیب النساء مخفیؔ" کے متعلق اپنے تاثرات ضرور لکھوں گی۔ یہ مضمون مجھے بہت پسند آیا۔ آپ سوچ رہے ہوں گے میری ہر تخلیق پسند آتی ہے۔ پھر ناپسند کیا آتا ہے؟ ـــــ ناپسند آتا ہے آپ کا خفا ہو کر خط کا جواب نہ دینا! بے حد انتظار کرواتے ہیں آپ! زیب النساء مخفیؔ کی جو شبیہہ آپ نے بیان فرمائی ہے ـــــ آفتابی چہرہ، دلکش صورت، موزوں قامت، حسین خدوخال، ریشمی بال، مُسکراتی آنکھیں، برگِ گل جیسے ارغوانی ہونٹ، اور رخساروں

پر دو سیاہ تل! کاش! ہماری بھی یہی شبیہہ ہوتی تو اتنا نہ تڑپاتے!

آپ کا یہ مضمون بہت معلومات افزا رہے۔ یقیناً اس کی تخلیق میں آپ کو بے حد اسٹیڈی کرنا پڑی ہوگی شہزادی زیب النساء کی ذہانت و شعور کے متعلق آپ نے جو دلائل پیش کیے ہیں وہ خاصے کی چیز ہیں۔ لیکن راجپوتوں سے لڑائی کے چکر میں جب اورنگ زیبؒ اپنے بیٹے شہزادہ اکبر کو اُن کی پیش قدمی روکنے کے لئے اور راجپوتوں کو اِس کی سزا دینے کے لئے بھیجتا ہے تو وہ پیش قدمی روکنے کے بجائے راجپوتوں سے مل جاتا ہے۔ باپ سے منحرف ہو جاتا ہے۔ اتنا منحرف ہو جاتا ہے کہ لشکرِ شاہی کے مقابلے پر آ جاتا ہے۔ اِس عالمِ سرکشی پر اورنگ زیبؒ کا جلالی ہونا یقینی تھا۔ اس لئے کہ بیٹے نے خلافِ توقع اقدام کر کے اُس کے احساس کو جھنجھوڑ دیا تھا۔ باپ بیٹے کے اِس نفاق کے باوجود شہزادی زیب النساء اور اکبر کی خط و کتابت جاری رہی جو بھائی بہن کی رسمی محبت تک ہی محدود ہوتی ہے۔ یہیں شہزادی ذہانت کے اعتبار سے شکست کھا جاتی ہے۔ اور اُسے ایک سال تک جیل کے مصائب سے گذرنا پڑتا ہے۔ یہ بڑا دردناک منظر ہے۔ پھر شہزادی کو جیل سے اُس کی ایک عزیزہ کی موت کی تعزیت پر محل میں لایا جاتا ہے اور شہزادے کی شادی تک وہیں رہتی ہے۔ اُس وقت کے یہ اشعار جو اُس نے اپنی بے بسی پر کہے ہیں بڑے دل خراش ہیں ؎

درد آنکہ ز قیدِ ستم آزاد نہ گشتم!
یک لحظہ ز غم ہائے جہاں شاد نہ گشتم!

گرچہ پا ز نجیرِ مخفیؔ زد تہہ دیوارِ غم
شکر اللہ کز جفائے ہم گناں آسودہ ام

دلِ من اسیرِ مخفیؔ بہ بلائے ہجر تا کے
کہ بجز ہوائے وصلت گنہِ دگر ندارم

مخفیؔ اُمید رہائی تا بروزِ حشر نیست
خاکِ غربت ہر کہ را دامنگیر شد

تا مرا زنجیر در پائے دل دیوانہ شد

دوست شد دشمن مرا ہر آشنا بیگانہ شد

زیب النسار مخفی کے اِن اشعار سے دل پر ایک دھکا سا لگتا ہے۔ بہت ذہین شہزادی تھی۔ جیسا کہ آپ نے دہلی کے ایک مشاعرے کی مثال دی ہے۔ جس کے مطلع کا مصرعہ اولیٰ تھا "دُرِ ابلق کسے کم دیدہ موجود" اس کا مصرعہ ثانی زیب النسار مخفی نے اس طرح کہا تھا "مگر اشکِ بتانِ سرمہ آلود"

آپ نے اُس کے ذہن و شعور کی جو مثالیں پیش کی ہیں۔ وہ خوب ہیں اور مدلّل ہیں۔ یہ مثال بھی خوب ہے۔ وہ ایک دن چمن کی سیر کر رہی تھی۔ بہار کا موسم تھا۔ وہ آہستہ آہستہ چہل قدمی کرتی ہوئی جب چشمہ کے قریب پہنچی تو منظر کی دلکش کیفیت نے اُسے مسحور و بے خود کر دیا اور اُس کی زبان سے یہ شعر نکل گیا ؎

چہار چیز غم دل برد کدام چہار

شراب و سبزہ و آب رواں و روئے نگار

اُسی لمحہ اورنگ زیب کا اُدھر گذر ہوا ــــ پوچھا۔ "بیٹی کیا پڑھ رہی تھیں؟"

عرض کیا۔ قبلہ و کعبہ یہ پڑھ رہی تھی ؎

چہار چیز غم دل برد کدام چہار

نماز و روزہ و تسبیح و توبہ استغفار

آپ نے اپنے اس مقالہ میں جگہ جگہ جو مثالیں دی ہیں وہ ایک اہمیت رکھتی ہیں۔ اور انگریز مورخین نے جو عاقل خاں اور زیب النسار کے معاشقے کی داستانیں لکھ کر جو یہ کہا ہے۔ زیب النسار نے عاقل خاں کی محبت میں سرشار ہو کر شادی نہیں کی تھی۔ اُنھوں نے آگے یہ بھی لکھا ہے ایک دن باغ میں جب عاقل خاں زیب النسار سے ملنے آیا تو اورنگ زیبؒ نے اُسے آگ پر چڑھی دیگ میں جلا کر مار ڈالا تھا۔ یہ سراسر بہتان ہے۔ آپ کی یہ دلیل حقیقت پر مبنی ہے۔ اورنگ زیبؒ کے عدل و انصاف سے ساری دنیا

واقف ہے اور اُس کے غیظ و غضب کو بھی دنیا جانتی ہے۔ پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے اس حیا سوز واقعہ کو دیکھ کر اُس نے عاقل خاں کو تو سزا دیدی۔ لیکن اپنی بیٹی سے باز پرس نہ کی۔ ایسے عادل نے جس نے زیب النساء کو اپنے بھائی سے خط و کتابت کرنے پر جیل میں ڈلوا دیا تھا۔ صرف اس لئے اُس نے ایک مائی بھائی سے خط و کتابت کا رشتہ استوار کیا تھا۔ پھر ایک سخت گیر عادل ایسی ناانصافی کر سکتا ہے؟ کبھی نہیں! یہ اُس بلند کردار خاتون کے سفید دامن پر مغربی مورخین نے سیاہ دھبہ ثبت کرنے کی کوشش کی ہے۔

آپ نے زیب النسا کی شخصیت، ذہانت، بلاغت اور فصاحت کے لئے جو دلائل پیش کئے ہیں اُن سے انحراف نہیں کیا جا سکتا ـــــ انجم صاحب! جتنی محبت، جتنا عشق مجھے آپ سے ہے اتنا ہی آپ کے قلم سے ـــــ کتنا رواں ہے آپ کا قلم!

آپ کے جواب کا انتظار کروں گی۔ اِس طرح صبح سے شام تک لگا ہیں دروازے پر لگی رہیں گی۔ اِس لئے اور بھی، میرا محبوب خط کوئی اور نہ پڑھ لے جو راز کا انکشاف ہو ـــــ اچھا خدا حافظ!

آپ کی یاسمین

انجم زیدی نے زیب النسا کی ذہانت کی طرح یاسمین کی ذہانت کا بھی قائل ہو گیا۔ وہ اُس کی جس تخلیق پر تبصرہ کرتی تھی دل کھول کر لکھتی تھی۔ اور حیرت تو اُسے اِس بات پر تھی بالکل اُس جیسا ہی انداز بیان بنا لیا تھا اپنا! جیسے اُس کا انداز بیان چھین لیا ہو اُس نے! اُس کے حرف حرف سے محبت اور لفظ لفظ سے پیار کی جھلک ٹپکتی تھی۔ اُس نے کبھی بھول کر بھی خیال نہ کیا تھا وہ اُس کا اتنا گرویدہ ہو جائے گا۔ اور اُس کے خطوط اُس کے لئے پیار کا نشہ بن جائیں گے۔ ایسا نشہ جن کا جواب لکھے بغیر اُسے چین نہ آئے گا ـــــ اُس نے لکھا۔

عزیزی ضیار! گلہائے محبت

محبت نامہ صادر ہوا۔ اتنا اچھا حسین انداز بیان پر مبنی، خوبصورت تراش خراش اور دلکش اسلوب سے مزین تبصرہ پڑھ کر دل خوشی سے جھوم جھوم اُٹھا۔ کتنی دل نواز، کتنی دلکش ہوتی ہے تمہاری تحریر جی چاہتا ہے

پڑھتا ہی رہوں ـــــ حیرت ہے ۔ تم نے شکایت کی ہے ۔ میں نے جواب نہیں دیا ۔ میں نے خود پوسٹ آفس جاکر لفافہ یو پی سی سے بھیجا ہے ۔ دیکھو بھئی ضیاؔر! جو شکایت تمہیں مجھ سے ہے، وہی مجھے تم سے ہے ۔ مجھے ہر خط کا جواب چاہیئے ۔ جواب کے بغیر میں کتنا تڑپتا ہوں، کتنا مچلتا ہوں، یہ کسی ماہی کو بے آب کر کے دیکھئے! تم نے مجھے اپنے ہاں ہونے والے مشاعرے میں بُلوانا چاہا تھا لیکن بُلوا نہ سکیں اِس کا بے حد افسوس ہے ۔ ہم تو نظرِ کرم کے منتظر تھے ـــــ اُف! تمہارا دیدار نصیب نہ ہوا ۔ ویسے میرے دل کی آنکھیں تمہیں دیکھ چکی ہیں ۔ تم مجھے پسند ہو، اور تمہاری حسین تحریر مجھے پسند ہے ۔ تم میرے خوابوں کی آرزو ہو ۔ اس لئے مجھے تم جیسے ساتھی کی ضرورت ہے ۔ ایسا ساتھی ہی تو میرے قدم قدم ساتھ چل سکتا ہے ۔ میں فرسودہ خیالات اور تنگ نظر کا قائل نہیں ۔ اِسی لئے مشاعرے میں اسٹیج پر آنا معیوب نہیں سمجھتا ۔ دنیا میں مختلف خیالات کے لوگ بستے ہیں ۔ کوئی رونقِ محفل بننا پسند کرتا ہے ۔ کوئی رونقِ خانہ! لیکن ہمیں کسی سے کیا؟ کردار، گفتار اور سیرت سے انسان کی پہچان ہوتی ہے ۔ انسانیت کی یہی معیار ہے ۔

ہمارے یہاں یکم جولائی کو آل انڈیا مشاعرہ ہو رہا ہے جس میں ہندوستان کے بیشتر مقبول و معروف شعرائے کرام کی شمولیت متوقع ہے ـــــ تم نے جو شعر سُنایا ہے وہ بڑے معرکہ کا ہے ۔ دل چاہتا ہے تمہیں بھی بُلالوں ۔ یا اُڑ کر تمہارے پاس پہنچ جاؤں ۔

"گلفشاں" کا شکیل نمبر اگست میں منظرِ عام پر آرہا ہے ۔ تمہارا افسانہ "ہار کی جیت" اُس میں شامل کر رہا ہوں ۔ لیکن سُنو! مجھے نہ ہرا دینا! ـــــ اس افسانہ میں غربت و امارت کی جنگ کا جو منظر تم نے پیش کیا ہے وہ امیروں کے مُنہ پر گہرا طمانچہ ہے اور یہ قابلِ ستائش ہے ۔ امیروں کی یہ فطرت ہوتی ہے، وہ ہیروں کو پتھر سمجھ کر ٹھوکر لگا دیتے ہیں ۔ اور جب یہی پتھر اپنے قدرداں کے دامن میں پہنچ جاتا ہے تو کفِ افسوس ہی کم نہیں ملتے، سر دُھنتے ہیں یہ کیا ہو گیا؟ اب اِن سے کون کہے، تمہاری غیر سنجیدہ فطرت کا خمیازہ ہو گیا! مانگتے رہو معافی اور کرتے رہو ندامت کا بوجھ ہلکا ۔ اب کیا ہوتا ہے ۔ یہ اتھری ملاٹ ہے تمہارے

افسانے کا۔ اندازِ بیان بھی اچھوتا ہے، زبان بھی شستہ ہے۔ اور کہانی بھی سیدھی سادی ہے۔ پیچیدگی سے دامن کو بچایا ہے۔ یہی خوبیاں ہوتی ہیں اچھی تخلیق میں! لیکن دیکھو بھئی ہم امیر ہیں نہ غریب! اس لئے ملانچہ مارنے کی کوشش نہ کرنا۔ ایسا سبق مت دینا کہ ہم سر دُھنتے دُھنتے مر ہی جائیں ـــــ اچھا خط ختم کرنے سے پہلے تمہیں اپنی غزل کا ایک شعر سُنا دوں ـــــ ؎

مجھ کو غم کے اندھیروں کی پروا نہیں
میرے دل میں رہو تم اُجالا کئے

ہمیشہ شاداں رہو ـــــ جواب کا انتظار رہے گا۔

سراپا انتظار تمہارا:۔ انجم زیدی

یاسمین کو جواب لکھنے کے بعد انجم زیدی نے جلدی جلدی دوسری ڈاک دیکھی۔ اور باری باری سب کے جواب لکھنے کے بعد وہ کرسی سے ٹیک لگا کر نہ جانے کن خیالات میں کھو گیا۔ وہ سوچنے لگا، وہ روزانہ یاسمین کو خط لکھتا ہے۔ اور یاسمین بھی اُسے روزانہ ایک خط لکھتی ہے پھر بھی مجھے، اور اُسے بھی خطوط کی تشنگی کا احساس کیوں ستاتا رہتا ہے۔ کیوں ہم ایک دوسرے کو الزام لگاتے رہتے ہیں، جواب نہیں ملا کیسی محبت ہے یہ؟ کہیں ہم پاگل تو نہیں ہو گئے ہیں۔ کہتے ہیں عشق دماغی خلل کا نام ہے۔ کہیں ہم اسی خلل کا شکار تو نہیں ہو گئے ہیں؟ پھر یہ بے قراری ـــــ یہ بے تابی کیوں؟

وہ بہت دیر تک اسی طرح سوچتا رہا۔ اُسے اپنے اِس سوال کا جواب ہی نہ ملا۔ جواب تھا تو وہی یاسمین کا میز پر رکھا ہوا دوسرا خط! وہ اُسی کو پڑھنے لگا ـــــ

میرے اپنے زیدی! سلامِ محبت

آپ کا ارسال کردہ پیغام موصول ہوا۔ آپ نہ جانے کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہے ہیں۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ روح کانپ رہی ہے ـــــ آپ کے کشکول میں جگہ ہے، تو مانگ کر دیکھئے نا! صدق دل سے

مانگ کر تو دیکھئے میرے حضور! یہ جُملہ لکھ تو دیا لیکن مجھے ندامت کا عجیب سا احساس ہو رہا ہے!!

آپ نے لکھا ہے۔ حقیقت کی تعبیریں نہیں ہوتیں۔ اِس جُملے سے میرا دل تڑپ اُٹھا۔ آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ اس لئے کہ میں شکست خوردہ ہو گئی ہوں آپ کی چاہت کے آگے۔ میں نے سر جُھکا دیا ہے درِ حبیب پہ! کیا ملے کچھ پتہ نہیں۔ زخموں کی سوغات، یا پھولوں کی لڑیاں! یہ قسمت کی بات ہے۔ ویسے میری قسمت تو آپ ہیں۔ سر جو جُھکا دیا ہے میں نے محبت کے قدموں میں! اسے کچل دیں یا فرطِ محبت سے چُوم لیں۔ یہ آپ پر منحصر ہے۔

آپ کی تصویر دیکھ کر احساس ہوا جیسے میری تقدیر مُسکرا رہی ہو۔ میرے تخیل سے کہیں زیادہ حسین! میں تو آپ کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں۔ میں بے سر و سامان ہوں۔ صرف زخموں سے چُور چُور دل ہے ــــــ اور کچھ بھی نہیں! آپ کے متعلق کیا سوچوں؟ وہ بھی تو بیٹیاں ہوتی ہیں جو اپنے زندگی بھر کے ساتھی کے بارے میں بغیر کچھ جانے، سُنے، دیکھے اور ملے ہمیشہ کے لئے اُس کی بن جاتی ہیں۔ کیا وہ خوش نہیں رہتیں؟ یہ تو عورت پر منحصر ہے وہ اپنے ساتھی کو اپنے پیار میں اتنا ڈبو دے کہ وہ سر اُٹھا ہی نہ سکے۔ کہ اُس کا عیب بھی اُس کی نظر میں ہُنر بن جائے۔ یہ کام مشکل تو ضرور ہے لیکن ناممکن نہیں! یہ میرا مشاہدہ ہے۔ تجربہ نہیں۔ اور پھر آپ کے چاہنے والے اور بھی تو ہوں گے۔ میرا مطلب ہے۔ ماں باپ، بہن بھائی، دوست احباب، عزیز و اقارب! محبت کا ایک رُوپ تو نہیں ہوتا؟ آپ میرے محبوب ہیں۔ کسی کے بھائی، کسی کے بیٹے، کسی کے چچا اور کسی کے بھتیجے ہوں گے اِس سے کیا فرق ہو سکتا ہے۔ یہ تو خوش نصیبی کی بات ہے کسی کے اتنے چاہنے والے ہوں اور میں اُس سے محبت کرنے لگوں ــــــ!

جذبات کی رو میں بہہ کر نہ جانے کیا کیا لکھتی چلی گئی ہوں جو ــــ ایک ہندوستانی لڑکی کو زیب نہیں دیتا۔ لیکن کیا کروں۔ آپ کو بھی تو بتانا پڑے گا ــــــ گستاخی معاف!

اِن دنوں نہ جانے کیوں مجھے آپ کی تخلیقات پڑھنے کا ایک جنون سا ہو گیا ہے۔ آپ بتاتے بھی تو نہیں

کن کن رسائل و اخبارات میں چھپتے ہیں۔ یہ ایک اتفاق ہے بُک اسٹال پر "روبی" کی ورق گردانی کرتے ہوئے مجھے آپ کا افسانہ "میرے اپنے" نظر آگیا۔ دیکھ کر دل پھڑک اُٹھا اور میں نے "روبی" خرید لیا۔ اگر میں یہ رسالہ نہ دیکھتی تو ایک اصلاحی اور غیروں کو اپنا سمجھ کر اُن پر اندھا اعتبار کرنے والے لوگوں کی کہانی سے محروم ہو جاتی۔ بڑے خوبصورت تانوں بانوں سے آپ نے "میرے اپنے" کا پلاٹ بُنا ہے۔ راج کمل جب نادان اور غیر شعور رانی کو زبردستی مسل ڈالتا ہے تو وہ خون سے لت پت ہو جاتی ہے۔ اور جب رات کو اُس کے والدین سنیما دیکھ کر لوٹتے ہیں تو وہ کراہتے ہوئے بلک اُٹھتی ہے۔ رانی خوفزدہ اور نڈھال آواز سے بولنے کی کوشش کرتی ہے۔ "ماں!..... میں..... میں تو....."

"ہاں بیٹی گھبرانے کی کوئی بات نہیں ـــــ میں سب سمجھ گئی ـــــ تو اب آرام کر!" ماں رانی کا سر سہلاتے ہوئے سمجھاتی ہے ـــــ "پہلی بار سب ہی کو تکلیف ہوتی ہے بیٹی!"

بیٹی پھر بولنے کی کوشش کرتی ہے ـــــ "لیکن ماں ـــــ وہ!"

"اچھا اب زیادہ باتیں نہ کر بس سونے کی کوشش کر، ایسے میں سونے سے بہت آرام ملتا ہے۔" ماں اُسے پھر سُلانے لگی۔

اِس افسانے میں یہاں آپ کی ذو معنی تحریر پر پیار اور رانی کی ماں کی معصومیت اور بھولے پن پر حیرت بھی ہوتی ہے اور ترس بھی آتا ہے، وہ سمجھ ہی نہیں پاتی ہے کہ راج کمل نے اُس کے اعتماد کو کچل ڈالا ہے۔ سمجھتی بھی ہے تو کچھ اور۔ یہاں آپ نے افسانے کو اتنے خوبصورت انداز سے نبھایا ہے باطل کا احساس ہی نہیں ہوتا۔ راج کمل پر اُن لوگوں کا بھروسہ یونہی قائم رہتا ہے۔ پردہ پردہ ہی رہتا ہے۔ یہ پردہ فاش ہو جاتا تو افسانہ کا تاثر دم توڑ دیتا! اور کہانی کا مقصد ضائع ہو جاتا ـــــ آپ کی کہانیوں نے مجھے آپ کے بہت قریب کر دیا ہے! خدا حافظ!

آپ کی:۔ یاسمین ضیاء

یاسمین کا خط پڑھ کر زید کی اُس کے اور قریب ہو گیا۔ اب اُسے اُس کی محبت پر ذرا بھی شک نہ تھا۔ اُس کا ہر خط اُس پر ایک نشہ، ایک مدہوشی طاری کر دیتا۔ ایک نیا تاثر چھوڑتا۔ وہ اُس کے خط کے بغیر نہ کھا سکتا تھا۔ نہ پی سکتا تھا۔ وہ اُس کے لئے نشیلی شراب بن گئی تھی۔ محبت کی شراب! اِس نشے سے جب وہ سرشار ہو جاتا تو الفاظ کاغذ پر بکھرنے لگتے۔

رگِ جاں سے بھی قریب ضیاؔ! یادیں

مکتوب ملا۔ خوشی سے دل دھڑک اٹھا۔ اور کچھ دیر کے لئے ایسا محسوس ہوا جیسے تم میرے سامنے کھڑی شرارت سے مُسکرا رہی ہو اور کہہ رہی ہو۔ کیوں بہکی بہکی باتیں کرنے لگے ہو، بہکی بہکی باتیں نہ کروں تو کیا کروں؟ تم نے پیار کا اتنا نشہ پلا دیا ہے کہ سنبھلنا دوبھر ہو رہا ہے ؎

ع کبھی ہم آہ بھرتے ہیں، کبھی فریاد کرتے ہیں

کشکول میں جگہ بہت ہے۔ اور ذاتِ اقدس پر توکل بھی بہت ہے۔ وہ خالی نہ رہے گا یہ بھی قوی اُمید ہے۔ پھر بھی ایک خوف ـــــ ایک خلش ہے جو جھنجھوڑے جا رہی ہے ـــــ تمہیں پانے کی خلش! ـــــ میری مُسکراتی تصویر میں تمہیں اپنی تقدیر نظر آ رہی ہے۔ یہ میری خوش نصیبی ہے۔ کاش! صرف یہ حسرت ہی نہ رہے۔ تم نے کیسے کہہ دیا میں کچھ بھی نہیں ہوں۔ تم میرے لئے ہفت اقلیم کا خزانہ ہو! میرے لئے سب کچھ ہو۔ حسین سیرت، خلوص اور محبت کے آگے حسین صورت کیا معنی؟ سیرت سے زندگی سنورتی ہے، خلوص سے معیار بلند ہوتا ہے۔ اور پُرخلوص گفتگو سے غیر اپنے ہو جاتے ہیں۔ اِس نعمت سے بڑھ کر اور کیا نعمت ہو گی؟ پھر تم نے کیسے کہہ دیا میرے پاس کچھ نہیں! انسان کو انسانیت کے دائرے میں رکھنے والی چیزیں تو یہی ہیں۔ یہی چیزیں تو مجھ جیسے خدمتِ خلق کا جذبہ رکھنے والے مفلس کو پسند ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے جس کی تعبیر نہیں ہوتی۔ تعبیر تو خود

یار کے بیشتر راز اپنے شعروں میں کھوئے ہیں۔ پھر ماضی قریب میں خطوں پر مبنی کہانیاں اور ناول بھی لکھے گئے ہیں۔ اور یہ سلسلہ جاری ہے۔ اِن خطوں کی تحریر سے نادیدہ کاتبوں کے بارے میں مکتوب الیہم نے دھوکے بھی کھائے ہیں اور انھیں خطوں نے دو دلوں کو ملایا بھی ہے۔ بعض اوقات نادیدہ کاتبوں نے جان بوجھ کر دھوکے بھی دیئے ہیں۔ اس لئے موضوع کے اعتبار سے "دامِ تحریر" میں جلیسؔ سہسوانی نے دو تین ہلکے سے گھماؤ دے کر نیا پن پیدا کیا ہے۔ اس میں "آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا" والی استعجابی کیفیتیں بھی ہیں اور کشمکش کے چھینٹے بھی۔

اور رومانی فضا جو شروع سے آخر تک قائم رہتی ہے اور جو مسائلِ حیات کی بیرونی سطح پر ہی نظر کو الجھا لیتی ہے اور کوشش کی جاتی تو اور زیادہ عمیق تجسس و تفکر تک لے جا سکتی تھی لیکن بنیادی کہانی پن دلچسپی کو برقرار رکھتا ہے اور قاری کو تھکن محسوس نہیں ہونے پاتی۔ اِس فضا کو شعروں کے متواتر استعمال اور ایک مکالماتی اندازِ اظہار سے بھی سہارا دیا گیا ہے۔ اُن رومان پسند نوجوانوں کے لئے جو نادیدہ گوشوں سے آنے والی ہر صدا اور تحریر پر دل دے بیٹھنے کو تلے بیٹھے رہتے ہیں یہ ناول ایک تنبیہہ ہے۔ اور شاید ملہم شیراز کی طرح یہ مصرعہ بھی ادبی آواز میں دہراتا ہے کہ ع "عشق آساں نمود اول ولے افتاد مشکلہا" اور پھر آپ شاید یہ محسوس کریں گے کہ ع "وہی اندازِ جہاں گذراں ہے کہ جو تھا" بس یہی احساسات اِس ناول کا جواز ہوں گے۔ یہ ضرور ہے کہ موجودہ دور میں دید و ادید کے اتنے مواقع حاصل ہوتے ہیں کہ فریبِ مسلسل میں مبتلا ہونے کی ضرورت کم پڑتی ہے اور جو لوگ اس کے باوجود شکار بن جاتے ہیں اُن کی سادگی تفننِ طبع کا سامان زیادہ فراہم کرتی ہے اور ہمدردی کا کم۔ جلیسؔ سہسوانی نے حالات میں مخفی طنز کا سہارا لے کر کہانی کو ختم کر دیا ہے اور قاری کو اس کے لئے آزاد چھوڑ دیا ہے کہ وہ بے بس کردار کو نشانہ استہزا بنائے یا اس سے عبرت حاصل کرے۔

خطوط کی اُٹھان کو ایک مستقل انداز بنا کے آخر تک باقی رکھا گیا ہے۔ ایسی صورت میں بات کا پھیلتے جانا فطری تھا۔ کچھ ع "لطیف بود حکایت دراز گفتم" والی کیفیت بھی پیدا ہوئی۔ لطافتِ بیان ہی وہ جزوِ غالب ہے جس کو پیمانہ بنا کر جلیسؔ کی اِس ناول کو ناپنا چاہیے۔ حکایت کو مزے لے کر بیان کیا گیا ہے، عام قاری کی دلچسپی شروع سے آخر تک قائم رہتی ہے اور اُس پر ناول ایک خوشگوار اثر چھوڑ جاتا ہے۔

ہر زبان میں ناول توسیع زبان اور ترقی ادب کا اہم ذریعہ ہیں۔ اُن سے قاریوں کا ہر طبقہ دلچسپی لیتا ہے اور اسی میں صنف کی ہر دل عزیزی کا راز مضمر ہے۔ اُردو میں ناولوں کی بے حد کمی ہے اور ہر معیار اور ہر سطح کے ناولوں کی کمی ہے۔ اچھے ناول لکھے جانا چاہئیں، لیکن عام قاری کی دلچسپی کو نظر انداز کر دینا آسان نہیں ہے۔ ایسے ناولوں کا بھی جواز ہے اور اُن ناولوں کا بھی جو ہماری زندگی کے مختلف متنوع اور گوناگوں پہلوؤں کی عکاسی کرتے ہیں۔ ہماری سیاسی اور سماجی زندگی کے ہر اس موڑ پر اچھے ناولوں سے جو کام لیا جا سکتا ہے۔ وہ کسی دوسری صنف سے نہیں لیا جا سکتا۔ اِس صنف سے بڑے کینوس کی گنجائش ہے اور اسی لئے پیچ در پیچ زندگی اور اُس کے مسائل کے اظہار کے لئے یہ صنف بے حد موزوں ہے۔ اس ناول میں جلیسؔ نے ایک بہت ہی گزراں پہلو کو نوکِ قلم سے چھُوا ہے، پھر بھی بین السطور میں کئی باتیں آگئی ہیں۔

جلیسؔ سہسوانی کی ادبی شخصیت پہلو دار ہے۔ اُنھوں نے ناول کو اپنایا ہے اور اُمید ہے کہ وہ اپنے آنے والے ناولوں میں اپنے قلم کی توانائی اور مشاہدے کی وسعت کو اور بھی جامعیت اور معنویت کے ساتھ سمیٹیں گے۔ اُن سے یہ صنف مزید اور خصوصی توجہ کی طالب ہے۔

علی جواد زیدی : ۳/۶ ڈالی باغ کالونی لکھنؤ

کو دھوکہ دینے والی چیز کا نام ہے۔ اِسی لئے میں خواب دیکھتا ہوں نہ تعبیریں تلاش کرتا ہوں حقیقت پر یقین رکھتا ہوں۔ اور جب محبت کے قدموں میں سر جھک جائے تو اُسے ٹھکرانے کی جسارت کہاں سے آئے گی۔ اس دنیا میں بڑے بڑے سنگ دل لوگ بستے ہیں۔ سر ٹھکرانے والے، سر کاٹنے والے، اور سر چھوڑنے والے! لیکن میں؟ میں سر کو فرطِ محبت سے چومنے والا ہوں ؎

میری نگاہِ محبت کی روشنی تم ہو
مرے خیال میں اندازِ بندگی تم ہو

"میرے اپنے" پسند آیا۔ اس کے لئے تمہارا ممنون ہوں۔ بڑی گراں قدر ہوتی ہے تمہاری رائے۔ اِسی لئے تو دل چاہتا ہے میری تحریر پر تمہاری رائے ہو۔ اِسی سے تو فن میں پختگی آتی ہے۔

خلوص کیش:۔ انجم زیدی

خط لکھنے کے بعد انجم زیدی نے ایک انگڑائی لی اور سامنے میز پر رکھی ہوئی یاسمین کی تصویر دیکھی اور مُسکرا کر اپنی ہی غزل کے اشعار گُنگُنا اٹھا ؎

ہے آنکھوں میں جادو، لبوں پر تبسّم
مجسّم قیامت ہیں اُن کی ادائیں
اگر ہے کشش تجھ میں کچھ جذبِ کامل
چلے آئیں خود ہی جنہیں ہم بُلائیں

اُس نے ترنّم سے کئی بار یہ اشعار گُنگُنائے اور فرطِ جذبات سے یاسمین کی تصویر چُوم لی۔ اُس کے ساتھ ہی اُس کا لفافہ بھی کھول ڈالا۔

محترمی! سلامِ خلوص

یقین ہے خیریت سے ہوں گے۔ میرا افسانہ "ہار کی جیت" آپ کو پسند آیا۔ اس نگاہِ التفات

کے لئے شکر گذار ہوں۔ اُس پر آپ نے جو اپنی جامع اور پُر خلوص رائے کا اظہار فرمایا ہے وہ میرے لئے قابلِ عزت و شرف ہے۔ لیکن یہ کیا لکھ دیا " مجھے ہرا نہ دینا " میری آنکھوں کی روشنی! میں اپنی شکست کی نسبت پہلے ہی لکھ چکی ہوں اور اب بھی لکھ رہی ہوں۔ میں آپ سے ہار گئی ہوں۔ عورت نام ہی ہار کا ہے۔

—— انجم صاحب! نہ جانے کیوں آپ کی تحریر سے مجھے شبہ ہو رہا ہے۔ میرا دل کانپ رہا ہے۔ کہیں آپ مجھے فریب تو نہیں دے رہے ہیں؟ یہ احساس کر کے دل برداشتہ ہو رہی ہوں ؎

مجھ کو فریب دے کر میری آرزو کُچل کے
تمہیں کیا ملا بتاؤ میری زندگی بدل کے

مجھے فریب نہ دو میرے زیدی! میں پہلے ہی سے بہت غم زدہ ہوں۔ آپ کو کیا معلوم، میں نے آپ کے لئے کیا کیا نہ فراموش کر دیا ہے۔ کیا یہ اُسی جُرم کی سزا ہے؟

اب کچھ لکھا نہیں جا رہا ہے —— ہاں میری سہیلی شہناز شکایت کر رہی تھی آپ نے اُس کے خط کا جواب نہیں دیا۔ میں نے کہا جوابی کارڈ نہ بھیجا ہوگا۔ کہنے لگی۔ "بڑے کنجوس ہیں تیرے وہ!"

اب اجازت دیجئے! خدا حافظ!

مخلص آپ کی :- یاسمین ضیاء

خط پڑھ کر انجم زیدی سناٹے میں رہ گیا۔ اُس نے تو اپنے خط میں کوئی ایسی مشکوک بات نہ لکھی تھی جس سے کسی طرح کا شبہ ہو۔ پھر اُسے میری طرف سے شک کیوں ہو گیا؟ کیا وہ یہ سمجھتی ہے اُس سے مجھے محبت نہیں! میں اُسے فریب دے رہا ہوں۔ اُس کے غم میں مٹا جا رہا ہوں، اور وہ مجھے فریب کار سمجھ رہی ہے۔

—— "حقیقت کی تعبیریں نہیں ہوتیں، تعبیر تو خود کو دھوکہ دینے والی چیز کا نام ہے۔ اس لئے میں خواب دیکھتا ہوں نہ تعبیریں تلاش کرتا ہوں" اس کا یہ مفہوم تو نہیں! —— اُف! یہ تہمت! وہ تڑپ اٹھا۔ اُس نے لکھا۔

ڈیئر یاسمین! بہت بہت پیار

نوازش نامہ مل کر باعثِ احوال ہوا۔

"فریب"! اِس لفظ سے مجھے اور میری زندگی کو کتنے صدمے ــــــ کتنے غم نصیب ہوئے ہیں کیا بتاؤں تمہیں! ــــــ تم نے بھی مجھے اِس زہر خند لفظ سے نواز دیا ــــــ شکریہ!

فریبی کہو ــــــ ہرجائی کہو ــــــ ان سب خطابات کے لئے خندہ پیشانی سے ممنون ہوں۔ اس لئے کہ میں نے تمہیں اپنے محبوب کے رُوپ میں دیکھا ہے۔ اُس محبوب کے رُوپ میں جس کی پرستش کرنا میرا نصب العین ہے ــــــ میں فریب کار نہیں ہو سکتا یاسمین! میں فریب کار نہیں ہو سکتا۔ اس کا تصور بھی میرے لئے گناہ ہے ــــــ کئی روز سے بخار آرہا ہے۔ اور کچھ نہیں لکھ سکتا۔ اب تو بخار اور بڑھتا جارہا ہے۔ تم عجب ہو ــــــ! اُف ــــــ!! ــــــ

کبھی آسماں نے لوٹا کبھی باغباں نے چھیڑا
غرض اپنی بیکسی کا بنی زندگی نشانا

تمہارا:۔ انجم زیدی

زیدی کو معمولی بخار کئی روز سے آرہا تھا۔ جسے اُس نے کوئی اہمیت نہ دی تھی۔ اور نہ دوا لینے کی ضرورت محسوس کی تھی۔ وہ تو یاسمین کے خطوط میں کھویا ہوا تھا۔ اِس لئے اُسے اپنی طبیعت خراب ہونے کا کچھ پتہ ہی نہ چلا تھا۔ آج جب اُس نے صبح آفس آکر یاسمین کا خط پڑھا تو سچ مچ اُسے بخار آگیا۔ اتنا شدید بخار کہ وہ نڈھال سا گھر آکر اپنے کمرے میں لیٹ گیا۔

ہفتہ بھر تک وہ ڈسپینسری گیا نہ آفس! بخار اُتر جانے کے بعد بھی وہ بجھا بجھا، کمزور کمزور سا رہا آج گیارہ بجے جب وہ ڈسپینسری سے آفس گیا تو اُس کی میز پر یاسمین کا خط پڑا تھا ــــــ! اُس نے جلدی سے خط کو اِس طرح اٹھالیا جیسے کوئی متبرک چیز ہو۔

پیارے زیدی! سلام و بندگی

آپ کا عنایت نامہ ملا۔ بخار کے بارے میں پڑھ کر بے حد رنج ہوا۔ خدا آپ کو بہت جلد صحت یاب فرمائے۔ آپ نہ جانے کیسی کیسی الجھی الجھی باتیں لکھ دیتے ہیں۔ میں سمجھ ہی نہیں پاتی آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ آپ بہت اچھے ہیں جو میری باتوں کا جواب میری طرح کرخت لہجے میں نہیں دیتے۔ اُس دن بہت غصہ آگیا تھا آپ کی باتوں پر! ـــــ میرا خیال ہے آپ مجھے ڈرا رہے ہیں۔ پھر ایسی اُلجھی ہوئی باتیں کیوں لکھ دیتے ہیں۔ اب دیکھئے نا! کل ایک صاحب کا میری نسبت پیغام اور تصویر آئی ہے۔ بہت سوئیٹ تصویر ہے۔ لیکن دنیا میں صرف حسین صورت ہی سب کچھ نہیں۔ اور بھی تقاضے ہوتے ہیں زندگی کے لئے! اِس لئے میری نظروں میں اُس تصویر کی کوئی اہمیت نہیں۔ اور ..... چھوڑیئے اِسے ـــــ میرا مطلب تو آپ سے ہے۔ میں نے آپ کا افسانہ "آخری آرزو" پڑھ کر آپ کے دل کا اور سارے وجود کا اندازہ لگا لیا تھا۔ حسین صورت سے زیادہ حسین سیرت اور خلوص آپ کے یہاں مقدّم ہے۔ پتہ نہیں کہاں تک یہ حقیقت ہے لیکن یہ صحیح ہے تخلیق میں تخلیق کار کے کردار کی جھلک ضرور ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر کوئی افسانہ نگار حُسن پرست ہے تو وہ اپنے افسانوں میں حسین مناظر کی عکاسی ضرور کرے گا۔ ـــــ اِس بحث کو چھوڑیئے ورنہ بہت طویل ہو جائے گی ـــــ اب یہ بتائیے کیا میں آپ کو قریب سے دیکھنے کا شرف حاصل کر سکتی ہوں؟ میں اُس فراخ دل انسان کو ایک بار اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھنا چاہتی ہوں۔ جس کا دل سمندر ہے!

کاش! پہلے ہی دیکھ لیتے میرے زیدی! جس سے بعد میں آپ کو افسوس نہ ہو۔ آپ کا آنا مشکل نہیں۔ میرے لئے مشکل ہے۔ میں کمزور عورت جو ہوں۔ اس لئے کسی کے سامنے آپ کا نام بھی لیتی ہوں تو ڈر جاتی ہوں۔ کہیں کچھ کوئی سمجھ تو نہیں رہا ہے ـــــ اچھا اب آپ کو پریشان کرنا مناسب نہیں سمجھتی، آپ کی طبیعت جو خراب ہے۔ کیا کروں؟ آپ کے خط کا بہت انتظار جو رہتا ہے ـــــ آپ کہتے ہیں عجب عورت

ہوں ـــــ ساحر تو آپ ہیں جو اتنی دُور سے مجھے مسحور کئے جا رہے ہیں۔

آپ کی اپنی:۔ یاسمین ضیاؔ

خط پڑھنے کے بعد انجم زیدی کو محسوس ہوا اُس کے سر پر رکھا ہوا بوجھ اُتر گیا ہے اور دل میں بیٹھے ہوئے خدشات نکل گئے ہیں۔ وہ خود کو بھرپور طور پر تندرست خیال کرنے لگا۔ وہ مُسکرا کر یاسمین کے خط کا جواب لکھنے لگا ـــــ

پیاری یاسمین! زندگی و تابندگی

خط ملا۔ خوشی ہوئی۔ تمہاری دعاؤں کا پہلے ہی اثر ہو چکا تھا اور میں صحت یاب ہو گیا۔ قدرے قدرے لکھنے بھی لگا ہوں۔ لیکن ڈاکٹروں کا کہنا ہے دماغی محنت سے ابھی بچوں۔ یہی بات میرے لئے ناممکن ہے۔ اس لئے کہ ایڈیٹر اور ادیب کی زندگی کا لکھنے سے گہرا تعلق ہے۔ اور پھر وہ دل کہاں سے آئے گا جو تمہیں جواب نہ دے۔

بندہ نواز کی تحریر سے پتہ چلا بہت جلد بدگمان ہو کر آگ بگولہ ہونے کی عادت ہے۔ ہونا بھی چاہئے۔ حُسن میں برہمی نہ تو وہ پھیکا پھیکا نظر آتا ہے ؎

پھونک اے برقِ تپاں لیکن رہے اتنا خیال
آگ میرے آشیاں کی آشیاں تک ہی رہے

تمہارا یہ نظریہ درست ہے۔ افسانہ نگار کی تحریر اُس کے کردار کی غماز ہوتی ہے۔ اُس تحریر کو سمجھنے والے ہوں ـــــ چھوڑو اِس فلسفے کو، اپنا اپنا خیال ہے۔ تاہم انجم اور یاسمین کے خیالات کا فلسفہ بہت کچھ حد تک ایک ہے۔ میرے قرب کے لئے تمہارے سینے میں جو تمنائیں انگڑائی لے رہی ہیں، وہی تمنائیں تمہارے لئے میرے سینے میں تڑپ رہی ہیں۔ لیکن نہ جانے کیوں تمہارے بزرگوں کے سامنے آنے کا احساس پیروں میں بیڑیاں ڈال دیتا ہے کیا تمہیں اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ سکوں گا؟ اگر بزرگوں کے سامنے کوئی گستاخی

ہوگئی تو کیا ہوگا ؟ یہ احساس میرے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دیتا ہے اور میں تم تک پہنچنے کا ارادہ کرنے کے باوجود ارادہ نہیں کر پاتا! ـــــ اور تم نے یہ کمزور عورت کیوں لکھا ؟ اب عورت کمزور نہیں رہی ہے۔ وہ بہت آگے جا چکی ہے۔ آج کی عورت ایم ایل اے، ایم پی، وزیر اور حکمراں ہے!

ارے! یہ تمہاری سہیلی بھی ہماری طرح خراب ہیں۔ کہتی ہیں ہم کنجوس ہیں۔ اُن کا خیال ہے۔ اس معاملے میں بہت کھُلا دل رکھتے ہیں ہم جناب!

تمہارا:- انجم زیدی

خط لکھنے کے بعد زیدی نے اُسے پوسٹ کرنے کے لئے چپراسی کو دے دیا۔ اور یاسمین کے تازہ خط میں کھو گیا۔

شفیقِ محترم! اسلام و محبت

ہوئی ہے ہم سے نادانی تری محفل میں آ بیٹھے
زمیں کی خاک ہو کر آسماں سے دل لگا بیٹھے

بہت ناز ہے۔ تڑپا رہے ہیں۔ خدا خیر کرے اس بے نیازی کی! ؎

نہ کر ناز کہ دنیا ہی بدل جائے گی
تابشِ زُلفِ سفیدی میں بدل جائے گی

میں نے آپ کو سب کچھ بتا دیا ہے۔ آپ اپنے متعلق کچھ بتاتے ہیں، نہ آتے ہیں۔ اب گھر والوں کو کیا جواب دوں ؟ پھر نہ کہئے گا مجھے خبر نہ ہوئی ـــــ انجم صاحب! بے درد زمانے سے میں نے بہت سیکھا ہے، اُسے بہت سمجھا ہے۔ کیا کہوں آپ سے۔

شکیل نمبر مل گیا ہے۔ اُس کے بارے میں خط لکھ رہی ہوں۔

آپ کی:- ادیبہ ضیاء

انجم زیدی نے خط پڑھ کر سوچا۔ کیسی لڑکی ہے۔ کبھی شعلہ! کبھی شبنم! کیسے سمجھائے اُسے وہ دل کی گہرائیوں سے چاہتا ہے۔ اُسے بہت پیار ہے اُس سے! وہ اُس سے ضرور شادی کرے گا۔ لیکن وہ اتنی جلدی کیوں کر رہی ہے؟ کیا سمجھ رہی ہے مجھے؟ بڑی ظالم ہے ـــــ میں بھی اُس کی طرح جلد بازی کروں؟ مجھے سوچنے کا موقع بھی نہیں دے رہی ہے ـــــ یہ سوچتے سوچتے اُس نے قلم اُٹھایا اور اُسے خط لکھنے لگا۔

میری یاسمین! گلہائے پیار

خموشی پر مری دنیا میں شورش ہے قیامت کی

خدانا خواستہ لب کھل گئے ہوتے تو کیا ہوتا

اتنا مختصر خط پڑھ کر دل تڑپ تڑپ کر رہ گیا۔ تمہاری نفسیات میں سمجھ نہیں پا رہا ہوں۔ اس قدر عجلت کس کام کی۔ گھر والوں کو تم سمجھا دو۔ آگے پڑھنے کا بہانا کر دو نا! بہت جلد کوشش کروں گا تمہاری قربت سے اپنی آنکھوں کی پیاس بجھانے کی! ـــــ اور سُنو! ۲۴ دسمبر کو ریڈیو رامپور سے میری آواز میں کہانی نشر ہوگی۔ اُمید ہے میری آواز سُنو گی ـــــ خدا حافظ

انجم زیدی

خط لکھنے کے بعد انجم زیدی اپنے دل سے یاسمین کا خیال ہٹانے کے لئے لکھنے پڑھنے کے دوسرے کاموں میں مشغول ہو گیا۔ اس لئے کہ یاسمین کو سمجھانا اب اس کے بس کی بات نہ تھی۔ وہ مجبور تھا۔ وہ یہ نہیں چاہتا تھا جلد بازی میں کوئی غلط اقدام کرلے اور وہ ہمیشہ پچھتاتا رہے۔ اور یاسمین کو بھی اُس کے ساتھ رونا پڑے۔ اس طرح زندگی کی تلخی کو کیسے گوارہ کریں گے وہ؟ وہ تو یہ چاہتا تھا جس طرح اِس وقت اُسے یاسمین سے بے پناہ محبت ہے اور یاسمین کو اُس سے، اسی طرح شادی کے بعد بھی وہ ایک دوسرے کو ٹوٹ کر پیار کرتے رہیں۔ جب ہی زندگی کا مقصد پورا ہوگا ـــــ لیکن یاسمین کی جلد بازی اُسے غور کرنے کا موقع

ہی نہیں دے رہی تھی اور پھر اتنی جلدی اُس کا ناراض ہونا اُسے پسند نہ تھا۔ کیسی عجلت پسند لڑکی ہے۔ بہت کچھ سیکھنے اور جاننے کے بعد بھی انجان بن رہی ہے ـــــ ع

بڑی دیوانگی ہے ایک دیوانے کو سمجھانا

وہ لاکھ خود کو لکھنے میں محو کرتا لیکن خیالات اُسے چین نہ لینے دیتے۔ راہ چلتے۔ مریضوں کا معائنہ کرتے کسی سے بات چیت کرتے، کھاتے، پیتے، سوتے، جاگتے۔ اُس کا موضوع سوچنا بن گیا تھا۔ وہ بہت مشکل میں تھا! بڑی مصیبت میں تھی اُس کی جان! کئی بار اُس نے جھلا کر اس سلسلے کو قطع کرنے کی کوشش کی۔ یاسمین کو بھولنا چاہا۔ لیکن ناکام رہا۔ عشق کا جادو اُس کی رگ رگ میں ہیوست ہو کر سارے وجود میں سرایت کر چکا تھا۔ کئی دن سے اس جادو نے اُس کی حالت ہی بدل ڈالی تھی۔ وہ مسلسل سوچے ہی جا رہا تھا۔ اُسے رہ رہ کر یاسمین کی عقل پر حیرت ہو رہی تھی۔ وہ اُس کے افسانوں، مضامین اور نظموں پر اتنی خوبصورت رائے لکھنے والی اتنی کم عقل بھی ہو سکتی ہے؟ یہ سوچتے سوچتے وہ تھک گیا۔ اُسے محسوس ہونے لگا کہیں پھر بیمار نہ ہو جائے ـــــ وہ چُپ چاپ لیٹ گیا۔

صبح جب اُس کی آنکھ کھلی تو کسی حد تک اُس کا ذہن درست اور جسم توانا تھا۔ وہ ڈسپنسری چلا گیا۔ اور جب وہاں سے لَوٹنے کے بعد آفس پہنچا تو اُس نے پہلے یاسمین کا خط پڑھا۔

میرے محبوب! آداب و خلوص

آپ کا نوازش نامہ ملا۔ یہ جان کر بے حد خوشی ہوئی آپ تندرست ہیں۔ صحت کا خیال رکھا کیجئے، کسی کی امانت ہے ـــــ کاش! میں آپ کے قریب ہوتی۔ آپ کے لئے کچھ کر سکتی ـــــ اُف یہ بے بسی...

شاید اِن دنوں حضور فکروں میں غوطہ زن ہو کر کچھ زیادہ ہی نحیف ہیں۔ ورنہ آپ کی یاسمین اُداس اُداس کیوں؟ اب یہ زندگی صرف میری ہی نہیں ہے۔ کتنی بدل گئی ہے یہ! ہر لمحہ دل میں آپ کی یاد، آپ کی محبت کے چراغ روشن رہتے ہیں۔ آپ ہی تو میری زندگی کا سہارا ہیں۔ آپ کی ہر خواہش کا احترام

میری زندگی کا مقصد بن گیا ہے ـــــ!

میری کشتی کے ناخدا! آپ کے لئے ٹھنڈی آہیں نکلتی ہیں۔ میں تو آپ کی ہو چکی ہوں۔ بس اب دنیا والوں کی نظروں میں یہ کام باقی رہ گیا ہے اور آپ کی ذات پر منحصر ہے ـــــ کون کہتا ہے آپ سوٹ نہیں؟ میری آنکھوں سے دیکھئے! میرے دل سے پوچھئے آپ کیا ہیں؟ چاند ستاروں اور بہاروں سے بھی زیادہ حسین تر! ـــــ دیکھو میرا دل نہ دکھایا کرو میرے محبوب! میں تو آپ کی خاک پا بھی نہیں ہوں۔ یہ میری خوش نصیبی ہے آپ نے مجھے چاہا ہے۔ آپ نے تحریر فرمایا ہے۔ "افسانہ نگار کی تحریر اُس کے کردار کی غماز ہوتی ہے۔"

ارے صاحب! آپ ہمیں اپنے افسانوں میں تصوّر نہیں! مکمل تصویر نظر آتے ہیں۔ یہی کشش تو آپ کے قریب لے آئی ہے۔ اور قربت کی کش مکش میں تڑپ رہے ہیں ـــــ کاش! دیدار نصیب ہو جاتا! اپنے دیوتا کا! شکیل نمبر میں "یادِ رفتہ" کے تحت آپ نے جو کومنٹری کی ہے اُس میں شکیلؔ بدایونی کے اس شعر کے ساتھ ؎

سمجھو یہی کہ تم سے محبّت نہیں مجھے　　کچھ بدگمانیاں بھی ضروری ہیں پیار میں

یہ عبارت پڑھ کر کہ "شکیلؔ صاحب کا یہ شعر مجھے بھی پسند ہے اور لکھنؤ کے ایک دوست کی بھی نذر کر چکا ہوں۔" بہت دیر تک نہ جانے کیا کیا سوچتی رہی۔ اس لئے کہ چور کی داڑھی میں تنکا والی مثال صادق آ رہی تھی۔ یہ بدگمانی سہسوان اور لکھنؤ کے درمیاں حائل دُوری ہو سکتی ہے۔ اتنا ہی جانتی ہوں میں!

شکیل نمبر بہت خوبصورت ہے۔ آپ کی طرح حسین! جناب فخرالدین علی احمد صاحب مرحوم (صدر جمہوریۂ ہند) کا آپ کے نام خط بہت اہمیت رکھتا ہے۔ وزیر اعظم محترمہ مسز اندرا گاندھی کی تصویر کے نیچے یہ شعر ؎

عزمِ محکم جواں ہمّتی کی قسم　　اب رُکیں گے نہ ہرگز یہ بڑھتے قدم

سچ مچ اُس وقت اندرا گاندھی کے قدم رُکنے کا نام ہی نہ لے رہے تھے۔ آپ نے اداریہ میں پندرہ

اگست کے موقع پر لکھا ہے۔ یہ صحیح ہے پندرہ اگست اُس عظیم دیش کے کروڑوں انسانوں کا یوم جمہور ہے جو کبھی دوسرے ملکوں کے رحم و کرم پر جیتا تھا۔ جو دوسروں کا دستِ نگر تھا۔ لیکن آج ہمیں فخر ہے بتیس سال کی قلیل مدّت میں ہمارے دیش نے اپنا وہ ناقابلِ فراموش مقام بنالیا ہے جسے دیکھ کر دنیا رشک کر رہی ہے اب اپنا دیش خود کفیل ہے۔ اب ایک سوئی سے لے کر ہوائی جہاز اور ایٹم بم بھی ہمارے ملک میں بنتے ہیں اور جب سے علامہ اقبالؔ کے اس مصرعہ کی تفسیر ہند کی مایۂ ناز بیٹی مسز اندرا گاندھی نے دیش کی قیادت سنبھالی تھی اُس کا نقشہ ہی بدل گیا ہے۔ شاید علامہ اقبالؔ نے یہ مصرعہ اندرا گاندھی کے لئے کہا تھا۔ اس لئے کہ ایسے موقع پر جب دیش ایک نازک دَور سے گذر رہا تھا تو حدِ نظر تک خوفناک اندھیرے چھائے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔ لیکن ۳۱ مارچ ۱۹۶۷ء کا سورج جب طلوع ہوا تو یہ خوفناک اندھیرے آہستہ آہستہ چھٹنے لگے۔ یہ ہندوستان کی تاریخ کا یادگار دن تھا جب ایک عظیم رہنما ملک و قوم کی قیادت کا عزم صمیم لے کر مسز اندرا گاندھی کے رُوپ میں ہمارے سامنے آگیا تھا۔

تاریخ شاہد ہے ہر عہد میں قوم کی نظریں اپنے رہنما پر لگی رہی ہیں۔ اسی طرح ہندوستان کے کروڑوں لوگوں کی نظریں بھی اب ملک کے دل دلّی پر ہی نہیں، اُس میں موجود ایک اور طاقتور دل یعنی اپنی محبوب اور ہر دلعزیز رہنما محترمہ اندرا گاندھی پر لگی ہوئی تھیں۔ انھیں یقین ہو گیا تھا اب وزیر اعظم کی قیادت میں ان کے غم و آلام کا خاتمہ ہو جائے گا اور مسلسل معاشی غلامی اور سماجی استحصال سے نجات حاصل کر کے ایک بلند مقام پالیں گے ـــــ اور ہوا بھی ایسا ہی، بینکوں کی قومی ملکیت سے لے کر وزیرِ اعظم کے جرأت مندانہ اقدام اور بیس نکاتی اقتصادی پروگرام نے پورے ملک کی فضا ہی بدل دی۔ وزیر اعظم اور اُن کے کارہائے نمایاں کی مقبولیت کا بھرپور اندازہ اسی بات سے ہوتا ہے کہ ہر شخص ان کے پروگرام پر عمل درآمد کرنے کے لئے سرگرم نظر آرہا تھا۔ ملک کا ہر فرد اپنے دیرینہ خوابوں کی تعبیر دیکھنے کا متمنی تھا۔ وزیر اعظم کی اعلیٰ فہم و فراست اور آہنی عزم اور قوتِ عمل کی یہی حالت رہتی تو وہ دن دُور نہ تھا

پیش لفظ

مبشّر علی صدیقی

ناول انگریزی Novel سے لیا گیا ہے۔ اور اُردو ادب میں باقاعدہ طور پر انیسویں صدی عیسوی میں داخل ہوا۔ بعض نقاد رتن ناتھ سرشار کو اُردو کا پہلا ناول نگار بتاتے ہیں لیکن اویس احمد نے اپنی کتاب "اُردو کا پہلا ناول نگار" میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ نذیر احمد اُردو کے پہلے ناول نگار ہیں۔ بیسویں صدی کے شروع میں کئی ناول نگار ہمارے سامنے آتے ہیں۔ عبدالحلیم شرر، راشد الخیری اور پریم چند۔ پریم چند کا اثر اُردو ناول اور افسانہ نگاری پر بہت زیادہ ہوا۔ کیونکہ انھوں نے ہندوستان کے دیہاتوں کی زندگی کی صحیح عکاسی کی تھی۔ اس کے بعد ایک عبوری دور آیا۔ جس میں سدرشن، مرزا ہادی رسوا، آر کے خاتون اور فیاض علی کے نام مشہور ہیں۔ مرزا ہادی رسوا کا ناول "امراؤ جان ادا" اپنی بعض خصوصیات کی وجہ سے اہم ہے۔ پریم چند کے ناولوں میں "بازارِ حسن، میدانِ عمل اور گئودان" مشہور و اہم ہیں۔ لیکن بیسویں صدی کے تیسرے دہے کے شروع میں ترقی پسند تحریک وجود میں آئی۔ اور اس کی پہلی کانفرنس کی صدارت پریم چند نے کی۔ اس کے بعد ترقی پسند افسانہ نگاری اور ناول نگاری کا دور شروع ہوا۔ سجاد ظہیر نے "لندن کی رات" لکھا۔ اور رشید جہاں، احمد علی اور سجاد ظہیر کے لکھے ہوئے ترقی پسند افسانوں کا یکجائی مجموعہ "انگارے" کے نام سے شائع ہوا اس کے بعد "شعلے" موجود میں آئی۔ اور صدی کے پانچویں، چھٹے اور ساتویں دہوں میں کرشن چندر اور راجندر سنگھ بیدی کے نام ابھر کر صفِ اوّل کے افسانہ نگاروں اور ناول نگاروں میں سامنے آتے ہیں۔ ترقی پسند افسانہ نگاروں اور ناول نگاروں کی یہ فہرست نامکمل رہے گی۔ اگر عصمت چغتائی، رضیہ سجاد ظہیر، جیلانی بانو اور قرۃ العین حیدر کے نام شامل نہ کئے جائیں اور جدید ناول نگاروں میں صالحہ عابد حسین کا نام بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

بیسویں صدی کے آٹھویں اور نویں دہے میں کچھ نئے ناول نگار سامنے آئے ہیں جیسے خواجہ احمد عباس، رام لعل، مہندر ناتھ اور مسز اپہدی وغیرہ۔ ناول نگاروں کی یہ فہرست طویل ہے۔ زیرِ نظر ناول ڈاکٹر جلیس سہسوانی کے زورِ قلم کا نتیجہ ہے۔ اس ناول "دامِ تحریر" سے پہلے وہ کئی ناول لکھ چکے ہیں۔ اور اُردو ناولوں کی دنیا میں جانی پہچانی شخصیت ہیں۔ "دامِ تحریر" میں منظم پلاٹ ہے، کردار نگاری کے اچھے نمونے ہیں، عشقیہ ماحول سارے ناول پر چھایا ہوا ہے۔ اسلوبِ نگارش بھی ناول کے لئے موزوں ہے۔ انجم زیدی اور یاسمین ضیا اس کے خصوصی کردار ہیں۔ اور دونوں اپنے خطوط میں عشق و محبت کے فلسفہ کی گتھیاں سلجھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس میں زیادہ لمبے چوڑے پند و نصائح نہیں دیئے جا سکتے تھے۔ جو بیں د مختصر ہیں اور آج کل کی سماجی زندگی میں وقت کی کمی کی وجہ سے پڑھنے والے کو گراں نہیں گذرتے۔ جارج ایلیٹ کے انگریزی ناول "مل آن دی فلاس" (Mill on The Floss) سے مماثلت اِس کا خود نوشت (Autobiography) حصہ ہے۔ وہاں خود جارج ایلیٹ میگی ٹیلیور (Maggie Tulliver) کے رُوپ میں نمایاں ہیں اور یہاں ڈاکٹر جلیس سہسوانی انجم زیدی کے رُوپ میں۔ قاضی عبدالغفار کا ناول "لیلیٰ کے خطوط" گو ناول کے تمام لوازمات پورے نہیں کرتا لیکن اپنے مصنف کی طرزِ تحریر کی وجہ سے ایک شاہکار کی چیز بن گیا ہے۔ اس کی سب سے بڑی خوبی اس کا نفسیاتی پہلو ہے۔ ایک خط میں لیلیٰ اپنے عاشق کو مشورہ دیتی ہے۔ کہتی ہے ـــــ "مہربان! اگر ہوٹل کا مالک خود اپنے ہر ایک گاہک کے ساتھ کھانا نوش کرنے کے لئے بیٹھ جائے تو نتیجہ سوائے بدہضمی اور پیٹ کی خرابی کے اور کیا ہو سکتا ہے۔ میں ایک طوائف ہوں۔ میرے یہاں مختلف گاہک آتے ہیں اور میں ہر ایک گاہک سے سچی محبت کرنے لگوں تو یہ کاروبار کیسے چل سکتا ہے۔ آپ بھی ایک گاہک ہیں اور آپ کو اس نکتہ کو سمجھنا چاہئے۔ ہو سکتا ہے آپ کو مجھ سے سچی محبت ہو۔"

"دامِ تحریر" میں یاسمین ضیا اس کے برعکس اپنی سچی محبت کا یقین دلانے کے لئے انجم زیدی کو طرح طرح سے سمجھاتی ہے اور عشق و محبت کے نفسیاتی پہلوؤں کو اجاگر کرتی ہے۔ اور یہ کیفیت ناول کے بالکل اختتام تک رہتی ہے۔ انجم زیدی عشق کی خلش سے مجبور ہو کر آخر یاسمین سے ملنے کے لئے لکھنؤ کا سفر کرتا ہے۔ راستے میں اس کی اٹیچی چوری ہو جاتی ہے پھر بھی کسی نہ کسی طرح وہ دیدارِ محبوب کے لئے یاسمین کے حریمِ ناز میں داخل ہو جاتا ہے۔ اور یہاں پہنچ کر قاری کے سسپنس (suspense) کو ایک دھکا سا لگتا ہے۔

اس ناول میں چند ضمنی کردار بھی ہیں جیسے شکیلہ بانو بھوپالی، زینی، سلمہ وغیرہ جس سے قاری کے منہ کا ذائقہ بدلتا رہتا ہے۔ انجم زیدی نے اپنی تصانیف پر ان خطوط میں جو تبصرے شامل کئے ہیں وہ مصنف کے ناولوں پر اصل تبصرے ہیں۔ آج کل سائنس، ٹیکنالوجی اور ایٹمی توانائی کا زمانہ ہے۔ اور کوئی اچھا ناول نگار اس جدیدیت سے اپنا دامن نہیں بچا سکتا۔ اب عاشق اپنے محبوب سے ملنے کے لئے ہوائی جہاز اور وائرلیس کا استعمال کرتا ہے۔ اور ضرورت ہو تو خطوط بھی کمپیوٹر کے ذریعے تیار کئے جا سکتے ہیں۔ "دامِ تحریر" کے ناول نگار نے اس نکتہ کو اچھی طرح سمجھ لیا ہے اور وہ اپنے ماحول کی عکاسی میں صحیح ترجمانی کرتا ہے۔ مجموعی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ناول مصنف کی اور ناولوں کی طرح اُردو ادبی دنیا میں مقبول ہوگی۔

مرسلہ:۔ مبشر علی صدیقی ایم۔ اے (آگرہ) ایم۔ اے۔ بی۔ ٹی (علیگ)
پی۔ اے۔ ایس (ریٹائرڈ) منیجر ایس۔ ایم (بدایوں)

جب ہمارے سنہرے خوابوں کی سنہری تعبیر ہمارے سامنے ہوتی۔ لیکن ۳۱ر اکتوبر ۱۹۸۴ء ہندوستان کے لئے تاریکی کا پیغام بن کر آیا۔ فضائیں المناک اور دردناک مستقبل کی خبر دے رہی تھیں ـــــ نو بج کر چالیس منٹ پر ہندوستان کی وزیرِ اعظم مسز اندرا گاندھی کا قتل اُن کے محافظوں نے کر دیا ـــــ! بے اختیار مُنہ سے کسی شاعر کا یہ شعر نکل جاتا ہے ؎

وہی تو پونچھ رہا تھا مرے بدن سے لہو
اُسی کو لوگ بتاتے ہیں مرا قاتل تھا

مسز اندرا گاندھی صرف وزیرِ اعظم ہی نہیں تھیں، مصلح قوم تھیں، ہندوستان کی عظیم قائد اور بیدار مغز شخصیت تھیں۔ لیکن افسوس! ہندوستان ایک وطن پرست، ایک قابلِ رشک شخصیت اور امن پسند ہستی سے محروم ہو گیا۔ ہم اس جانکاہ حادثہ پر جتنا بھی ماتم کریں وہ کم ہے۔ کس کس بات کو یاد کر کے ہمیں مسز اندرا گاندھی کی یاد نہ ستائے گی ؎

جان کر منجملہ خاصانِ میخانہ مجھے ـــ
مدّتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ مجھے

اب بہتر یہی ہے ہمارے ملک کے نئے وزیرِ اعظم مسٹر راجیو گاندھی اور اُن کے ساتھی دوسرے رہنما مل کر ملک کی تعمیر و ترقّی میں لگ جائیں۔ جو مشن ہماری وزیرِ اعظم مسز اندرا گاندھی کا تھا، اُسے پایۂ تکمیل تک پہنچائیں۔ ملک کے اتحاد اور انسان کی فلاح و بہبود کو اپنا اصول و مقصد بنائیں ـــــ اور ہم سب مل کر اُن کے مشن کو آگے بڑھانے کا عہد کریں!!

جی چاہتا ہے وزیرِ اعظم مسز اندرا گاندھی جو اب ہمارے درمیان نہیں ہیں اُن کے متعلق اور لکھوں۔ لیکن ابھی بہت کچھ لکھنا باقی ہے۔ اِس لئے اِسے یہیں ختم کر کے اتر پردیش کے سابق گورنر یم چنا ریڈی جنہوں نے آپ کو شکیل بدایونی کی نسبت مراسلہ بھیجا ہے۔ وہ حقیقت ہی نہیں، اُردو کی نسبت ایک صادق بیان ہے۔

ہر لفظ قابلِ قدر ـــــ ہر لفظ قابلِ تقلید ہے۔ دیکھئے کیا کہتے ہیں ـــــ ہم کو فخر و مباہات کرنا چاہئے کہ شکیل بدایونی اتر پردیش کے شہر بدایوں میں پیدا ہوئے۔ اور وہ اپنی خداداد قابلیت، صلاحیت اور زبان دانی کی بدولت بہت جلد ہندوستان کے نامور اُردو شعراء کی صفِ اوّل میں شامل ہو گئے۔

غزل گوئی جو ایک دشوار فن ہے۔ اُس کو شکیل نے اپنایا اور اپنی باریک بینی اور بلند پروازی کی بنا پر اُردو غزل کو حسین و جمیل بنا دیا۔ یہی وجہ ہے فلمی دنیا نے شکیل کے پُر ترنم اور لطیف کلام کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور اُن کی غزلوں کو بڑی قدر و منزلت کا درجہ دیا۔

چند سال ہوئے قضا و قدر کے ہاتھوں نے اُن کو ہمارے درمیان سے اُٹھا لیا۔ وہ اِس دارِ فانی سے کوچ کر گئے ہیں۔ لیکن اپنے سحر آفریں کلام کی وجہ سے وہ ہمیشہ زندہ و جاوید رہیں گے۔ ایک جگہ شکیل نے بہت خوب کہا ہے ؎

تنہا چمن میں آ کے بھٹکتی تھی کیا بہار
اچھا ہوا کہ راہ میں دیوانہ مل گیا
دیکھا نگاہِ یاس نے گُل کدہ کا رنگ
ہر گُل کی آڑ میں کوئی دیوانہ مل گیا

اسی طرح اتر پردیش کے سابق وزیرِ اعلیٰ جناب ہیم وتی نندن بہوگنا نے اُردو کے متعلق اپنی رائے کا کتنے یادگار الفاظ میں اظہار فرمایا ہے۔ کیوں نہ فرماتے، موصوف اُردو کے شیدائی، اُردو کے قدرداں جو ہیں ـــــ "اُردو ہمارے ملک کی ایک اہم اور ہر دل عزیز زبان ہے اور اتر پردیش تو اُردو کا گہوارہ ہے۔ یہیں یہ زبان پلی، بڑھی اور بڑھ کر جوان ہوئی ہے ـــــ یہ کسی ایک فرقہ کی زبان نہیں ہے اِس کو پروان چڑھانے میں ہندوؤں اور مسلمانوں کا برابر کا ہاتھ ہے۔ ہماری ریاست اتر پردیش نے اُردو کے بڑے اور جلیل القدر شاعر پیدا کئے ہیں۔ جنہوں نے اِس زبان کو اپنے خونِ جگر سے سینچا ہے اور بامِ ترقی تک پہنچایا ہے

ملک کی جنگِ آزادی میں بھی اُردو زبان نے انتہائی قابلِ قدر اور ناقابلِ فراموش خدمات انجام دی ہیں۔ اس کے نعروں، ترانوں اور نغموں نے مجاہدینِ آزادی کے دلوں میں ایک نئی تڑپ اور نیا ولولہ پیدا کر دیا تھا۔

خوشی کی بات ہے آپ شکیلؔ بدایونی کی یاد میں ایک خصوصی نمبر نکال رہے ہیں۔ شکیلؔ بدایونی اُردو کے ایک قابلِ فخر اور مقبولِ عام شاعر تھے۔ ایک غزل گو شاعر کی حیثیت سے اُن کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ اُن کی غزلوں میں ترنّم اور شعریت، درد اور کسک، عزم اور حوصلہ بھی موجود ہے۔ شکیلؔ بدایونی نے غزل کو بہت کچھ دیا ہے اور وہ ابھی اور بہت کچھ دیتے لیکن موت نے اُن کو وقت سے پہلے ہی ہم سے چھین لیا۔

اسی طرح کے الفاظ جناب مجروحؔ سلطانپوری نے بدایوں اور شکیلؔ بدایونی کے متعلق کہے ہیں جو یادگار کے طور پر پیش کئے جا سکتے ہیں۔ کتنے خوبصورت الفاظ ہیں ــــــ "آپ کا بدایوں ہندوستان کے اُن مردم خیز خطّوں میں سے ہے جس کی زمین اپنے فرزندوں پر ہمیشہ ناز کرتی رہے گی۔ شعر و ادب کی دنیا میں اِس سرزمین کو اگر فانیؔ کے نام سے اعتبار ملا تو شاعروں اور عوام کی دنیا میں بدایوں کا نام شکیلؔ بدایونی کی بدولت ہندوستان گیر ہوا۔ وہ ہر اُس مشاعرے کا اہتمام اپنے ہاتھ میں لے لیا کرتے تھے۔ جس میں کہ وہ شریک ہوتے۔ اور وہ اہتمام کسی جشنِ عید سے کم نہیں ہوا کرتا تھا۔ سچ تو یہ ہے شکیلؔ بدایونی کے بعد مشاعروں کا یہ پہلو ہمیشہ کے لئے سُونا ہو گیا۔ اور فلموں بھی اپنی شاعری کا جو جادو اُنھوں نے جگا رکھا تھا وہ بھی اُنھیں کے ساتھ گیا۔ بقول میرؔ ؎

کہتے ہیں جانے والے یاں سے گئے
سب یہیں رہ گئے کہاں سے گئے

وہ نہ گئے ہوتے تو ہمیں اتنے یاد کیوں آتے۔ حق مغفرت کرے۔

ان سب مندرجات کے علاوہ آپ کا مقالہ "رہ گئی اک مُسکراہٹ سی شکیلؔ" بہت پسند آیا۔ سوچ

رہی تھی اس مقالہ پر بھی تفصیل سے لکھوں لیکن صرف اس میں شامل ایک غزل کے دو اشعار پر اکتفا کرتی ہوں ؎

جنوں سے گذرنے کو جی چاہتا ہے
ہنسی ضبط کرنے کو جی چاہتا ہے
وہ ہم سے خفا ہیں ہم اُن سے خفا ہیں
مگر یاد کرنے کو جی چاہتا ہے

چلتے چلتے ایک اور شعر سُن لیجیے حضور! ؎

اُن کے خیال، اُن کی تمنا میں مست ہوں
میرے لئے شکیلؔ عبادت ہے زندگی

آج عید کا دن ہے۔ مجھے آپ کے اُن معصوم بھانجے بھانجیوں کا خیال آرہا ہے جن کی گذشتہ عید ماں کے آنچل کے سائے میں گذری تھی۔ اللہ اُن معصوموں پر اپنی رحمت نازل فرمائے ـــــ آمین!

عید کی مبارک باد قبول کر لیجئے ـــــ! میں نے آپ کی مُسکراتی تصویر کو پھولوں کے درمیان سجا رکھا ہے۔ اُسے اُٹھا کر سوچ رہی ہوں آپ میرے ساتھ ہوتے تو عید کی خوشیاں دوبالا ہو جاتیں۔ کاش! اِس پُرمسرت موقع پر مجھے آپ کا دیدار نصیب ہو جاتا تو کتنی خوشی میسّر ہوتی مجھے ـــــ ایک بار پھر دعا کرتی ہوں عید سعید کی خوشیاں آپ کی زندگی میں بہار بن کر آئیں۔ اس طرح ؎

عیش لیل و نہار دیکھو تم، زندگی کی بہار دیکھو تم
آج کی عید پر ہے کیا موقوف ایسی عیدیں ہزار دیکھو تم

ایک اور شعر آپ کی نذر کرتی ہوں ؎

عید کا دن ہے گلے آج تو مل لے ظالم
رسم دنیا بھی ہے، موقع بھی ہے دستور بھی ہے

میں نے پچھلے خط میں اپنے رشتے کی نسبت تصویر کا ذکر کیا تھا۔ آپ اُس ذکر سے ناراض تو نہیں ہیں؟ اگر ناراض نہ ہوں تو مجھے میرؔ اور اُن کے دو ایک اشعار کی نسبت کچھ بتائیں۔ آج کل میرؔ کے اشعار کا میں نے بہت مطالعہ کیا ہے ـــــ اور ہاں! اِس بار میں نے طویل خط لکھا ہے پہلے آپ نے شکایت کی تھی، تشنگی کی! آپ کی:۔ یاسمین ضیاؔ

خط پڑھ کر زیدی کی عجیب سی کیفیت ہوئی۔ یاسمین نے شکیل نمبر پر اپنی بے لوث رائے کا اظہار کیا تھا اِس بار اُس نے بہت مخلصانہ خط لکھا تھا کوئی ایسا لفظ یا جملہ اُس نے استعمال ہی نہ کیا تھا جس سے اُسے صدمہ ہو۔ پورے خط میں خلوص، محبت اور پیار بھرا ہوا تھا۔ لیکن اتنے طویل خط میں بھی وہ اُسے بُلانے اور دیکھنے والا جذباتی جُملہ لکھنا نہ بھولی تھی۔ وہ مُسکرا اُٹھا۔ اور اُسے جواب لکھنے لگا۔

ضیاؔ صاحبہ! پیار، محبت اور سلام

عید کی مبارکباد اور تمہاری تڑپتی ہوئی تمناؤں سے بھرا تمہارا خط ملا۔ بار بار پڑھنے کے باوجود دل تشنہ اور جگر بے تاب رہا۔ بار بار مُنہ سے نکل رہا ہے۔ ربِ جلیل اِس عید کے موقع پر میری یاسمین کو خوشیوں کے خزانوں سے مالا مال کردے۔ اُس کی آرزوؤں کو پایۂ تکمیل تک پہنچادے۔ اور اُس کی زندگی میں کبھی خزاں کی اُداسی نہ آئے۔ اس لئے کہ اُس کی دعاؤں سے اُس کا زیدی صحت یاب ہوگیا ہے۔ اب وہ دعا کرتا ہے اپنی ضیاؔ سے جلد مل جائے۔ لیکن ڈرتا ہے۔ ضیاؔ جس چیز کا نام ہے وہ سنگ دل تماشبین ہے۔ وہ بار بار اپنے رشتے اور تصویر کا ذکر کر کے کسی کا دل دُکھاتا ہے۔ تصویر کی کشش نے اُسے مسحور کردیا ہے۔ تو اپنالے نا اُسے! ہمارا کیا؟ صبر و قناعت کی شمع جلالیں گے اور اُس کی ضیا میں اپنی ضیاؔ کی پرستش کرتے رہیں گے۔ اس لئے کہ بھولنا مشکل ہوگا۔ تڑپنا، سسکنا اور گھُٹ گھُٹ کے آہیں بھرنا مقدر بن جائے گا۔ تمہیں یہی منظور ہے تو تڑپنے دو۔ پھر تم نے خود کو کمتر سمجھ کر مجھے چاند ستاروں اور بہاروں سے بھی آگے کیوں بڑھا دیا؟ میں تو ذرّہ ہوں۔ ٹھوکروں سے روندا جانے والا حقیر ذرّہ! ؎

دینار و درہم کچھ پاس نہیں اک مہر و وفا کی دولت ہے
بازارِ جہاں میں دل میرا نادار بھی ہے زردار بھی ہے

فلسفہ اور خیالات کی یکسانیت ہی نے تو ہمیں ایک دوسرے کے قریب کر دیا ہے۔ اسی لئے تو شکیلؔ بدایونی کا یہ شعر جو انھوں نے اپنے محبوب کی بدگمانی پر کہا ہے ؎

سمجھو یہی کہ تم سے محبت نہیں مجھے
کچھ بدگمانیاں بھی ضروری ہیں پیار میں

میں نے بھی اپنے محبوب کی بدگمانی پر دو سطریں لکھ کر یہ شعر لکھ دیا۔

تم نے ہمشیرہ محترمہ کے معصوم بچوں کی نسبت لکھا ہے۔ یہ صحیح ہے اُن معصوموں کی معصوم آنکھوں میں آنسوؤں کے جھلملاتے موتی دیکھ کر آنکھیں ہی نہیں، دل رو اُٹھتا ہے۔ اور سال بھر پہلے کے خوش آئند لمحات یادیں بن کر وجود کو جھنجھوڑ دیتے ہیں ـــــ اُف! گردشِ دوراں!

میر اور اُن کے دو ایک اشعار کے بارے میں تم نے پوچھا ہے۔ مجھ جیسا مبتدی تو یہی کہہ سکتا ہے۔ میرؔ اپنے اشعار میں سلیس اور عام فہم زبان استعمال کرنے میں پیش پیش تھے۔ وہ روزمرہ کام آنے والی بول کی زبان میں بڑے پتے کی اور قابلِ قدر باتیں کہہ گئے ہیں۔ کیوں نہ کہتے۔ وہ بھی تو انسان تھے۔ دل و دماغ اور اُس میں عجیب و غریب رومانی تخیلات و تصورات رکھنے والے انسان! اُن کے اندر وہی سب کچھ کارفرما تھا جو ایک جذباتی اور حساس سخنور کے اندر ہونا چاہئے ـــــ وہ اپنی غزل کے ایک خوبصورت شعر میں کہتے ہیں ؎

کیا تنگ حوصلہ تھے دیدہ و دل اپنے
ایک دم رازِ محبت کا چھپایا نہ گیا

میرؔ کا مقصد ضبط و برداشت آدابِ عشق میں داخل ہونے سے ہے۔ اس لئے وہ آدابِ عشق کو نبھاتے ہیں۔ وہ اپنی ذات کو دیدہ و دل سے قطع کر کے اُنھیں کو موردِ الزام ٹھہراتے ہیں کہ غم کی شدت سے دل میں آہیں

اور آنکھوں سے بے اختیار آنسو نکلنے لگے۔ اِس طرح میری محبت کا راز افشا ہو گیا۔ جو رُسوائی کا حیلہ بنا۔

میرؔ کمالِ فن کاری سے بہت اچھوتے انداز میں دل کو شہر سے تشبیہہ دیتے ہیں۔ جیسے ؎

شہرِ دل آہ عجب جائے تھی پر اُس کے گئے
ایسا اُجڑا کہ کسی طرح بسایا نہ گیا

غائر نظر سے دیکھا جائے تو دل یقیناً ایک شہر ہے، ایسا شہر جس میں آرزوئیں اور تمنائیں آباد رہتی ہیں ارمان سسکتے رہتے ہیں اور چاہتیں انگڑائیاں لے لے کر مچلتی رہتی ہیں لیکن اُس کی رونق محبوب کے تصور سے اور بھی دوبالا ہو جاتی ہے۔ محبوب بچھڑ گیا، تو شہر اجڑ گیا۔ جب تک اُس شہر میں آباد تھا۔ یہ شہر دیکھنے کی جگہ تھی۔ بستیاں اُجڑتی ہیں اور بس جاتی ہیں لیکن دل کا شہر اُجڑنے کے بعد پھر کبھی نہیں بستا۔ شاید انھیں حالات نے میرؔ کو یہ شعر کہنے پر مجبور کیا ہے۔

میرؔ سادہ زبان استعمال کرنے کے معاملے میں یکتائے فن تھے۔ ایک اور شعر میں ان کی سلاست ملاحظہ ہو ؎

سرہانے میرؔ کے آہستہ بولو
ابھی ٹک روتے روتے سو گیا ہے

لیجئے محترمہ! میرؔ کے بارے میں مختصر طور پر ہم اتنا ہی لکھ سکتے ہیں۔ خیال رکھنا دل ایک شہر ہے جو محبوب کی محبت سے آباد رہتا ہے۔ ایسا نہ ہو وہ اُجڑ جائے۔

شکیل نمبر کے متعلق تم نے اپنی رائے کا مثالی اظہار کیا ہے۔ وہ تمہاری طرح ایک خوبصورت مقالہ بن گیا ہے۔ مجھے بہت پسند آیا۔ ریڈیو رامپور سے میری ایک کہانی "سُونی زندگی سُونا آنگن" نشر ہوئی تھی جس کا اعلان تم نے "گلفشاں" میں پڑھا ہو گا۔ وہ کہانی سُنی ہو تو تمہاری خوبصورت رائے جاننے کے لئے بے چین ہوں۔

میں نے تمہیں میڈیکل کالج میں ایڈمیشن کے لئے مشورہ دیا تھا ـــــ کیا سوچا؟

تمہارا:۔ انجم زیدی

انجم زیدی خط لکھنے کے بعد یاسمین کے اُس خط کو دوبارہ پڑھنے لگا تھا جو اُس نے تفصیل سے لکھا تھا۔ وہ حیران تھا اُس کے کہنے پر یاسمین نے بڑا لمبا خط لکھ دیا تھا۔ جس میں اُس نے انتہائی فراخ دلی کے ساتھ اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا۔ اُس کی حسین تحریر اور حسین زبان اُسے بہت بھلی معلوم ہو رہی تھی۔ لیکن یہ اُس کی سمجھ میں نہ آرہا تھا وہ میر اور اُن کے اشعار پر اتنا گہرا مطالعہ کیوں کر رہی ہے؟ اور پھر اُسے بھی اس طرف مائل کر دیا۔ کہیں وہ اُس کا امتحان تو نہیں لے رہی ہے؟ اگر ایسا کر رہی ہے تو میرا کیا جاتا ہے۔ میرا تو مشغلہ ہی کاغذ کو سیاہ کرنا ہے ـــــ یہ سوچ کر اُس نے اُس کا نیا آیا ہوا خط اُٹھا کر کھولا۔

میرے زیدی! اسلام محبت

محبت نامہ موصول ہوا۔ یقین جانئے پڑھ کر آنسو نکل آئے ـــــ کس جرم کی سزا دے رہے ہیں مجھے آپ؟ کیسے شکایت کروں؟ یہ بھی تو مشکل ہے۔ میں نے کب دینار و درہم کی بات کی ہے۔ کیا میں شاعر اور ادیب کی زندگی سے واقف نہیں؟ کیا آپ شادی شدہ ہیں؟ میں نے اس کے سوا آپ سے کچھ نہیں پوچھا نہ کچھ معلوم کرنے کی کوشش کی۔ اِس لئے کوئی بات ہماری محبت میں دیوار نہ بن جائے۔ آپ کی یاسمین کو دینار و درہم کا لالچ ہوتا تو وہ عرب اور دوسرے پرپوزل کو نہ ٹھکراتی۔ مجھے تو دینار و درہم کی کچھ بھی ضرورت نہیں، صرف مہر و وفا کی ضرورت ہے۔ دینار و درہم کو میں نے کبھی نہیں چاہا۔ نہ ضرورت محسوس کرتی ہوں۔ سچی محبت سے زیادہ کونسا دینار ہوگا؟ ـــــ ادیب و شاعر فراخ دل ہوتے ہیں یہ میں جانتی ہوں۔ اس لئے میں بھی خود کو حساس طبیعت محسوس کرتی ہوں۔ مجھے بھی چھوٹی چھوٹی باتوں سے صدمہ پہنچتا ہے۔ اس لئے کہ شعر کہنے اور لکھنے پڑھنے کا شوق تو مجھ کو بھی ہے ڈیئر!

اِس دنیا میں دولت ہی سب کچھ نہیں، پھر بھی دنیا اِس کے پیچھے بھاگ رہی ہے۔ لیکن میں نے ہمیشہ انسان کی قدر کرنا سیکھا ہے ـــــ آپ نے یہ شعر لکھ کر مجھے دُکھ پہنچایا ہے۔ آپ نے مجھے سمجھنے کی کوشش نہیں کی ہے۔ مجھے کچھ نہیں چاہئے۔ میرے پاس بھی تو دل کی دولت کے سوا کچھ نہیں ہے ؎

وابستہ میری یاد سے کچھ تلخیاں بھی تھیں
اچھا کیا جو مجھ کو فراموش کر دیا

سوچا تھا کچھ نہ لکھوں، لیکن اتنا زیادہ لکھنے کے باوجود باتیں باقی رہ گئیں۔ میرا دل بیٹھا جا رہا ہے آپ کو بھولنے کا خیال کر کے۔ اس لئے اور بھی ان دنوں بیمار رہی ہوں۔ اب کیا کروں؟ اب کچھ نہ لکھوں گی ــــ میرے خطوط نذرِ آتش کر دیجئے گا۔ سورج لینا گرمی کی تپتی ہوئی دوپہر میں ہوا کا ایک سرد جھونکا آ کر چلا گیا۔ مجھے بھولنا دشوار نہ ہوگا۔ اس لئے کہ کبھی ملے بھی تو نہیں ہیں۔

اگر آپ کو اپنی زندگی کو تاریکی سے بچانے کے لئے ضیاء کی ضرورت ہو تو والد صاحب کو خط لکھ کر ضیاء کو مانگ لیجئے نا!

ہاں! آپ کی آواز سننے کا شرف تو حاصل ہو گیا۔ کچھ کچھ سکون بھی ملا۔ میں ۱۹ دسمبر کو اپنی سہیلی کے ہاں مراد آباد گئی تھی۔ وہاں ۲۱ دسمبر کو ریڈیو رامپور سے اُردو پروگرام "آہنگ" میں آپ کی کہانی "سونی زندگی سونا آنگن" سنی۔ کہانی دلچسپ ہے، اصلاحی بھی! آپ کے یہ جملے ــــ "قریب ایک بیل گاڑی کی آواز سن کر اچانک اُس کا تخیل ٹوٹ گیا۔ گاڑی میں لمبا سا گھونگھٹ نکالے کوئی دُلہن بیٹھی تھی۔ سر پر اونچی سی پگڑی باندھے اُس کا دولہا بھی اُس کے پاس ہی بیٹھا تھا۔" سُن کر کچھ دیر کے لئے خیالات میں کھو گئی ــــ کیوں؟ اِس سوال کا جواب آپ کے پاس ہے۔ یہ کہانی ایک اولاد کو ترستے ہوئے شرابی مرد اور بے اولاد عورت کی کہانی ہے۔ ایسی فریب خوردہ جوان عورت کی کہانی جو اپنے آدمی کی شراب سے بے حد ناراض رہتی ہے۔ اس موقع سے دوسرا مرد فائدہ اُٹھاتا ہے۔ وہ اُسے بمبئی کی فلمی دنیا، وہاں کی بلند و بالا عمارتوں اور دوسری پُرکشش چیزوں کا لالچ دے کر اپنے ساتھ لے جاتا ہے ــــ وہاں پہنچ کر وہ فلمی ہیروئن تو نہ بن سکی۔ ایک بالاخانہ کی رانی بن جاتی ہے۔ اور چند سال گذر جانے کے بعد جب اُس کا حُسن ڈھلنے لگتا ہے تو اُسے اپنے آدمی کا خیال آتا ہے۔ وہ واپس گھر لوٹ آتی ہے۔ اُس کے قدموں میں سر رکھ کر گڑگڑاتی ہے ــــ "مجھے معاف

کردو! میں یہاں کسی کونے میں پڑی رہوں گی!"

"چمپا تو نہ آتی تو اچھا تھا۔" میں نے تو اُسی دن جس دن بمبئی میں تو نے مجھے اپنے گھر کوٹھے سے دھکے دے کر نکلوایا تھا۔ گاؤں والوں سے اگر کہہ دیا تھا چمپا ندی میں ڈوب کر مر گئی۔ اب تُو نے اتنے دنوں بعد واپس آکر مجھے گاؤں میں سر اُٹھانے کے لائق نہیں رکھا ہے۔ میں لوگوں کو کیا جواب دوں گا؟ کیسے کہوں کا کہ اتنے سال گھر سے باہر رہنے کے بعد چمپا ستا ساوتری بن کر لوٹ آئی ہے!"

چمپا روئے جا رہی تھی۔ اُس کے مُنہ سے یہی نکل رہا تھا ــــــ "تم مجھے معاف کردو! گاؤں والے تو تھوڑے ہی دن میں سب کچھ بھول جائیں گے۔"

"سب کچھ بھول جائیں گے؟ نہیں نہیں، چمپا! گاؤں والے کبھی نہ بھولیں گے۔ وہ مجھے نکلتے بیٹھتے طعنے دیں گے۔ تم آگ میں جل جاؤ تو بھی وہ تمہیں پوتر کہنا پاپ سمجھیں گے۔ ایسے وقت میں وہ کسی مہاراجہ کو بھی معاف نہیں کر سکتے۔ میں تو غریب کسان ہوں۔ میں انھیں کیسے سمجھاؤں گا؟"

کچھ دیر تک خاموشی رہی ــــــ بلّو نڈھال سا بستر پر گر جاتا ہے۔ ہوا کے ایک تر جھونکے سے لالٹین بجھ جاتی ہے۔ چمپا بلّو کے پیروں پر سر رکھ کر سسکتی رہتی ہے۔ اور بہت دیر تک سسکنے کے بعد وہ سو جاتی ہے۔

صبح باہر شور سُن کر اُس کی آنکھ کھُل جاتی ہے تو پتہ چلتا ہے بلّو نے کنوئیں میں گر کر خودکشی کر لی۔

اِس میں ناموس، مجبوری اور فریب خوردگی کی بے مثال جھلک ملتی ہے۔ انسان ذی شعور ہونے کے باوجود نشیب و فراز کا جائزہ نہیں لیتا۔ اگر جائزہ لے تو بہت کم عبرتناک انجام کی اُمیدیں ہوتی ہیں۔ یہ کہانی اسی پس منظر کے گرد گھومتی ہے۔ اگر بلّو شراب نہ پیتا تو نبتا رام موقع سے فائدہ اُٹھانے میں ناکام رہتا۔ اور اُس کے بعد جو کچھ ہوا، شاید وہ نہ ہوتا ــــــ غلطی کر کے پچھتانا انسان کا فطری حق ہے۔ ہم سے بھی ایک غلطی ہو گئی ہے! آپ سے پیار کر بیٹھے ہیں۔ انجام کیا ہوگا۔ اسے خدا جانے ــــــ!

ڈاکٹر جلیس سہسوانی ادب کا مجاہد

ڈاکٹر جلیس سہسوانی ادب کے اُفق پر درخشاں ستاروں میں سے ایک ستارہ ہیں۔ قریب تیئیس ۲۳ سال سے یہ ادبی دنیا میں اپنے خونِ جگر سے ادب کی آبیاری کر رہے ہیں۔ اس جدّوجہد میں خود نڈھال ہو گئے ہیں۔ لیکن ادب کا دامن نہیں چھوڑا ہے۔ وہ منشی دیا نرائن نگم کی طرح اپنی ادارت میں اُردو کا رسالہ "گل کدہ" نکال رہے ہیں۔ اور اُس کو زندہ رکھنے کے لئے خود کو مالی پریشانیوں میں مبتلا کر لیا ہے۔ اس سے زیادہ اُردو کی خدمت اور کیا ہو سکتی ہے۔ بہت سے لوگوں نے ان کے اس اقدام کا مذاق اُڑایا۔ کچھ نے دو تین شمارے نکلنے کے بعد بند ہو جائے گا کہہ کر اپنے دل کو خوش کیا۔ اور کچھ احباب نے مشورہ دیا، یہ بے حد سنگلاخ زمین ہے، پیر لہولہان ہو جائیں گے۔ لیکن جلیس سہسوانی پر ان باتوں کا کوئی اثر نہ ہوا ——— وہ اپنے ارادوں کی تکمیل میں لگے رہے ؎

اس کو ضد کہیئے کہ راہوں کو نہ بدلا ہم نے
کتنے طوفان اُٹھے حادثے کتنے آئے

ڈاکٹر جلیس سہسوانی گوناگوں شخصیتوں کے مالک ہیں۔ وہ قابلِ قدر افسانہ نگار، عمدہ مقالہ نگار، بلند پایہ ناول نگار اور طبی مضمون نگار بھی ہیں۔ وہ جس موضوع پر قلم اُٹھاتے ہیں اُسے بے حد خوش اسلوبی، جانفشانی اور انتہائی دلچسپی سے نبھاتے ہیں۔ اُن کی یہی انفرادیت اُن کی پہچان کراتی ہے۔ اُنھوں نے "جلتے بجھتے چراغ، ظلم کی شکست، فولادی انسان، موم کا پتھر" جیسے کامیاب ناول لکھے ہیں —— "موم کا پتھر"، کا موضوع اتنا چٹیل تھا کہ قاری سمندر، آسمان کے چکر میں پڑ کر چند صفحات سے زیادہ نہیں پڑھتا لیکن جلیس سہسوانی نے اُسے اتنا دلچسپ، پُر اسرار اور معلوماتی بنا دیا کہ قاری اُسے ختم کئے بغیر چین سے نہیں بیٹھ سکتا۔ اُنھوں نے اسے اتنے دلکش انداز میں تحریر کیا ہے کہ مقصد، دلچسپی اور اصلاح کا پہلو کہیں فوت نہیں ہوتا ———!

اسی طرح اُن کا ناول "دامِ تحریر" ہے۔ جس کے عنوان سے مقصد عیاں ہو جاتا ہے۔ تحریر کے پھندے خطرناک ہوتے ہیں اس لئے کہ یہ پھندے گلے میں پڑتے ہیں تو جان لے لیتے ہیں۔ زندگی اجیرن ہو جاتی ہے۔ 'دامِ تحریر' کی کہانی مکتوبات پر مشتمل ہے۔ مکتوب مرزا غالبؔ نے بھی لکھے ہیں، جو ادبی دنیا میں ایک اہمیت کے حامل ہیں۔ علاّمہ اقبالؔ نے بھی عطیہ بیگم فیضی کو مکتوب تحریر کئے ہیں اور مولانا آزادؔ نے بھی 'غبارِ خاطر' کے نام سے مکتوب لکھے ہیں۔ اِن مکتوبات کے مختلف موضوعات ہیں۔ اسی طرح کے مکتوبات پر مشتمل ڈاکٹر جلیس سہسوانی کی ناول ہے۔ اس میں خطوط کی ترتیب میں حسن اور پُرکاری سے کام لیا گیا ہے۔ اشعار موقع و محل کے لحاظ سے استعمال کئے گئے ہیں۔ تحریر میں پختگی اور فکر انگیزی ہے۔ مثال کے طور پر درج ذیل تحریر ملاحظہ فرمائیں ———

"انجم صاحب! آج مجھے اِس کا اعتراف ہے، پیار کسے کہتے ہیں، محبّت کیا ہوتی ہے۔ میں یہ جانتی ہی نہ تھی۔ اس لئے کہ مجھے سچا پیار کسی رُوپ میں ملا ہی نہیں۔ یہ لکھتے ہوئے میری آنکھوں میں آنسو آ رہے ہیں، دل میں ایک درد سا محسوس ہو رہا ہے ——— اُف! قلم بھی رُک رُک کر چل رہا ہے۔ میں آج آپ کو سب کچھ نہ سہی ——— کچھ تو ضرور لکھوں گی۔ میں ہمدردی اور معصومیت کی کتنی مستحق ہوں یہ مجھے خود بھی نہیں معلوم۔ اتنا جانتی ہوں، میرا بچپن اُس سوکھے ہوئے کھیت کی طرح گذر گیا جہاں بادل بغیر برسے چلے جاتے ہیں ؎

کیسے کیسے بادل آ کر کل دھرتی پر برسے ہیں
ہم ہی ہیں سنسار میں ایسے ایک بھی بوند کو ترسے ہیں

جلیس سہسوانی لکھنے کے رموز اور طرزِ تحریر سے واقف ہیں۔ وہ خوب لکھتے ہیں۔ اُمید ہے مستقبل میں بھی وہ اپنے قلم کے جواہر پاروں سے زبان و ادب کی خدمت کرتے رہیں گے اور اُردو ادب کو نئی جہت، نئی راہ اور نئے امکانات سے روشناس کراتے رہیں گے ———!

دیریندر پرشاد سکسینہ
ممبر اُتر پردیش اُردو اکاڈمی
لکھنؤ ——— (بدایوں)

آپ کے اس حسین شہہ پارے میں کہیں عبرت اور تعمیر کا پہلو مجھے نظر آیا۔ آپ کا مقصد کیا ہے اِسے میں جاننے سے مجبور ہوں۔ آپ کا یہ افسانہ مجھے بہت پسند آیا۔ اور آپ کے پڑھنے کا انداز اور بھی زیادہ پسند آیا ——— مبارکباد!

اسے ہم لوگوں نے ٹیپ کر لیا تھا اِس لئے لکھنے میں آسانی رہی۔ آپ نے میری خواہش پر میرؔ اور اُن کے اشعار پر جو لکھا ہے وہ مجھے بے حد پسند آیا ——— شکریہ!

دعا ہے خدا آپ کو ہمیشہ شاداں و سلامت رکھے ——— سینے پر صبر کی سل رکھ کر خط کا انتظار کروں گی۔

آپ کی:۔ ضیاؔر

زیدیؔ یاسمینؔ کا خط پڑھ کر جُھنجھلا گیا۔ وہ پریشان ہو گیا۔ کچھ دیر کے لئے وہ تذبذب میں پڑ گیا۔ وہ یاسمینؔ کی نفسیات سمجھنے سے خود کو قاصر محسوس کر رہا تھا۔ اُسے اِس کا شدید افسوس تھا۔ یاسمینؔ سے اتنی محبت، اتنا عشق ہونے کے باوجود وہ اُسے اب تک سمجھ کیوں نہ سکا؟ اِسی طرح سنجیدگی سے سوچتے سوچتے اُس نے قلم اُٹھا لیا اور خاموشی سے جواب لکھنے لگا ———

جانِ من ضیار! سلامِ خلوص

خوشی اور غم میں ڈوبا ہوا خط ملا۔ ایسے جملے اور فقرے پڑھنے کو ملے جنہوں نے دل پر آہستہ آہستہ خنجر چلائے۔ بہت دل دُکھا ہے، آنکھیں آنسوؤں سے بھیگ گئی ہیں۔ اُف یہ بے رُخی! ہمارے ایک شعر پر اتنی ناراضگی؟ اتنا شور! تیور کا خیال کر کے دل کانپ رہا ہے۔ اُس شعر کا مطلب یہ ہر گز نہ تھا جو تم سمجھی ہو۔ میرا مطلب تو یہ تھا مجھے تمہاری محبت کے سوا کسی دولت کی ضرورت نہیں۔ اس لئے کہ زمانہ لین دین کے معاملے میں بہت ترقی کر چکا ہے۔ موجودہ دور میں شادیوں کو تجارت کا رُوپ دے دیا گیا ہے۔ لیکن مجھے؟ صرف تمہاری محبت چاہیئے! صرف تم اور تمہاری محبت ——— !تم نے کسی تصویر کا ذکر کیا تھا نا! اس لئے میں نے لکھ دیا تھا میں ایک غریب انسان ہوں۔ کسی کا مقابلہ میری استطاعت کے لئے ناممکن ہے ؏

اب اس میں جان مری جائے یار ہے صیاد

مجھے دولت سے بھی نہیں، حسین صورت سے بھی نہیں، حسین سیرت سے محبت ہے۔ جسے یاسمین کہتے ہیں۔ لیکن اِس سیرت نے کہہ دیا۔ میرے خطوط کو نذرِ آتش کر کے سمجھ لینا گرمی کی تپتی دوپہر میں ہوا کا ایک سرد جھونکا آیا تھا جو گذر گیا۔ بہت ہی آسان علاج لکھ دیا تم نے! ـــــ ایسا نہیں ہو سکتا۔ تمہارے خطوط میری سچی محبت کی یادگار ہیں، لافانی یادگار! تم سینے پر صبر کی سِل رکھ کر مجھے بھول جاؤ۔ لیکن یہ مجھ سے نہ ہو سکے گا۔ کبھی نہ ہو سکے گا ـــــ! تم حساس ہو تو میرا دل کیوں دُکھایا؟ تمہیں مجھ سے محبت ہے تو یہ بے رُخی کیوں؟ ـــــ اُس شعر کا مفہوم یہ تو نہیں تھا میں تمہیں کچھ نہیں دے سکتا۔ میرے پاس کچھ نہیں ہے ـــــ محبت تو ہے۔ پیار کرنے والا دل ہے اور کیا چاہئے تمہیں؟ جان بھی حاضر ہے۔ لیکن میری زندگی کو مایوسیوں اور نا اُمیدیوں کی راہوں پر نہ ڈالو! مجھے جلنے دو، خاک ہو جانے دو عشق کی آگ میں! اس لئے کہ یہ ایسی آگ ہے اِس میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جلتے رہنے کو جی چاہتا ہے۔ لیکن تمہاری یہ بے رُخی کے تیور دیکھ کر میری روح نکل جاتی ہے ـــــ اب آگے کیا لکھوں۔ ٹوٹے ہوئے دل سے کہنا پڑتا ہے ـــــ ؎

میں کبھی چمکا تھا جن آنکھوں میں گوہر بن کر
اب کھٹکتا ہوں اُنھیں آنکھوں میں پتھر بن کر

پہلے مجھے پیار دیا۔ اب چھین رہی ہو۔ یہ ظلم ہے، جبر ہے، زیادتی ہے ـــــ!

دعا گو ہوں تم سدا چاند ستاروں کی طرح مُسکراتی رہو!

خط میں جو باتیں ناگوار گزری ہوں اُس کے لئے معافی کا خواستگار ہوں ـــــ

فراموش کیا ہوا:۔ انجم زیدی

سچ مچ یاسمین کے خط کی اس تحریر سے انجم زیدی غم سے نڈھال ہو گیا۔ کچھ دیر کے لئے اس دنیا اور ساتھ ساتھ اپنے آپ سے بھی اُسے نفرت ہونے لگی۔ وہ سوچنے لگا۔ کیوں اُس نے عشق کا آزار اپنی زندگی سے لگا

کر خود کو اجیرن بنالیا؛ یاسمین اِس طرح ذرا ذرا سی باتوں پر اُس سے ناراض ہو گی تو کیا یہ زندگی، زندگی رہ جائے گی؛ وہ مجنوں اور فرہاد کی طرح ہو جائے گا۔ اگر اُس نے اُس کے دل کو دل نہ سمجھا تو یہ شیشہ ٹوٹ کر بکھر جائے گا۔ جس کی کرچیاں پھر کبھی نہ جمع ہو سکیں گی ____ اُف!...... وہ کراہ اُٹھا۔ اور اپنی بے بسی پر اُس کے آنسو نکل آئے ؎

دوہری مصیبتیں ہیں غمِ ہجرِ یار میں

وہ اختیار میں ہیں نہ دل اختیار میں

تین دن تک وہ بیمار نہ ہوتے ہوئے بھی، بیماروں کی طرح پلنگ پر پڑا رہا۔ کچھ لکھا نہ پڑھا نہ آفس گیا۔ اور نہ کچھ کھایا۔ عجیب قابلِ رحم حالت بنالی تھی اُس نے۔ بکھرے ہوئے بال، بڑھی ہوئی داڑھی، شکن آلود کپڑے، وحشیانہ انداز، اور پاگلوں جیسی چال! خود سے بے نیاز ہو گیا تھا وہ!

اسی حالت میں یہ سوچ کر شاید سسکتی روح کو کچھ سکون حاصل ہو جائے وہ ٹہلتا ہوا آفس آگیا ____ آفس میں تین دن کی ڈاک اُس کا انتظار کر رہی تھی۔ اور اُس ڈاک میں یاسمین کا نیلا لفافہ ٹوٹی ہوئی اُمید کو سہارا دے رہا تھا۔ اُس نے جلدی سے وہ لفافہ نکال لیا ____

میرے محبوب! سلامِ محبت

نا اُمیدی کے گہرے اندھیرے میں ڈوبنے کے بعد آج آپ کا محبت نامہ ملا۔ میرے الفاظ سے آپ کے دل پر ضرب لگی ہے اس کے لئے معافی کی طلبگار ہوں۔ کیا کروں، میری غیرتِ نسوانی مجھے مجبور کر دیتی ہے۔ آپ بھی نہ جانے کیوں مجھے اپنے آپ سے دُور کئے ہوئے ہیں۔ سچ کہتی ہوں مجھے آپ سے اٹوٹ پیار ہو گیا ہے۔ یہ آپ کی سچی محبت اور فراخ دلی کی کشش ہے میرے محبوب! میں بھی کتنی نادان ہوں جان بوجھ کر آپ کے دل کو مجروح کرتی ہوں۔ کبھی کبھی آپ کی بے نیازی پر غصہ آجاتا ہے۔ اِس خط سے مجھے اندازہ ہو گیا۔ آپ کے دل میں میرے لئے گہری محبت اور کافی جگہ ہے ____ ! آپ نے میرے کئی اہم سوالوں کے جواب بڑی خوبصورتی سے ٹال دیئے

ہیں۔ میں نے پوچھا تھا کیا آپ شادی شدہ ہیں؟ آپ شادی شدہ ہیں تو دوسری شادی کی وجہ؟ آپ کہتے: بہن بھائی ہیں؟ لیکن آپ نے کسی سوال کا جواب نہ دیا ــــ! اور میں نے یہ خیال کر کے نہ جانے آپ کیوں بتانا نہیں چاہتے، مزید جاننے کی کوشش نہ کی۔ اب بھی آپ کہہ سکتے ہیں مجھے آپ سے محبت نہیں؟ میں نے آپ کی ہر خواہش کے آگے سر جھکا دیا ہے پھر مجھے آپ سے کیسے محبت نہیں؟ میں تو آپ کو اپنا ناخدا سمجھ کر مستقبل کے حسین خواب سجا رہی ہوں۔ آپ کہتے ہیں مجھے محبت نہیں! میرے یہ جو کرخت الفاظ قلم سے کبھی کبھی نکل جاتے ہیں! یہ اپنے اجداد کی عزت، وقار اور ناموس کا احساس کر کے زبان پر آجاتے ہیں۔ اس لئے کہیں ہمارے کسی غلط اقدام سے لوگ انھیں طعنہ نہ دیں۔ ہم کوئی گناہ نہیں کر رہے ہیں۔ ہمارا مذہب بھی تو اس بات کی اجازت دیتا ہے، شریک سفر بننے سے پہلے راہ کا تعین کر لو۔ سمجھ لو، سوچ لو، کہیں کوئی کانٹا آنے والے زمانے کے لئے راہ میں خارِ مغیلاں نہ بنے!

بہر کیف آپ شادی شدہ ہیں کوئی بات نہیں! والد صاحب کو معلوم ہو گیا تو کیا ہو گا؟ کیا گذرے گی اُن کے دل پر! اور لوگ کیا کیا افواہیں اُڑائیں گے ہمارے بارے میں! جنھیں سُن کر دل ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔ آپ خود سمجھ سوچ سکتے ہیں۔ میں عورت ہوں آپ کو کیا بتاؤں صرف یہی مجھے آپ سے محبت ہے!

اور کیا لکھوں۔ والد صاحب سے بات کیجئے بذریعہ خط۔ میں آپ کے ساتھ ہوں۔ آپ کی ہر خواہش کے لئے سرِ خم ہے ــــ تصویر حاضر ہے ــــ ملنے سے مجبور:۔

جاتے جاتے ایک حقیر سی فرمائش کی آرزو ہے۔ مجھے غزل کے متعلق غالبؔ کے اشعار کا حوالہ دے کر غزل کی ترقی، تبدیلی اور قبولِ عام ہونے کے بارے میں تفسیر کے ساتھ مجھے اسی طرح سمجھائیے جس طرح آپ نے پہلے میرؔ کے اشعار پر لکھا تھا۔ وہ مجھے بہت پسند آیا تھا۔ اُس سے مجھے بے حد سکون و راحت نصیب ہوئی تھی۔ اس لئے اور بھی آپ کی محبت کا جادو آج کل زیادہ ہی سر پر سوار ہے۔ میں محبت کے بارے میں میرؔ اور غالبؔ کا بہت مطالعہ کر رہی ہوں۔ کبھی کبھی تو ایسا احساس ہوتا ہے میری زندگی کے لئے دو ہی کام ہیں۔ آپ کو خط لکھنا اور میرؔ اور غالبؔ کو پڑھنا۔

سراپا انتظار:۔ یاسمین ضیاؔر

خط پڑھنے کے بعد زیدی کو ایک دلی سکون، ایک دلی شادمانی میسّر ہوئی۔ اُسے ایسا معلوم ہونے لگا وہ بیمار نہیں ہے۔ اور نہ اُسے زندگی اور دنیا میں رہنے والے لوگوں سے نفرت ہے۔ یہ سب لوگ بہت اچھے ہیں۔ زندگی بہت خوبصورت ہے۔ اس لئے کہ یاسمین جو اُس کے ساتھ ہے۔ اُس کی محبّت و شفقت اُس کے ساتھ ہے۔ پھر زندگی کیا نہیں۔ وہ بُری کیسے ہو سکتی ہے۔ یہ سوچ کر وہ ایک ولولہ، ایک عزم کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔ گھر پہنچ کر شیو بنایا۔ نہا دھو کر بال سنوارے اور کپڑے بدل کر آفس گیا۔ اُسے اپنی پیاری یاسمین کے خط کا جواب جو لکھنا تھا ــــــ

میری تمنّا! میری آرزو! گلہائے خلوص

زندگی کا پیغام لے کر تمہارا خط آیا۔ غموں کی دنیا سے نکل کر آرزوؤں اور تمناؤں کی دنیا میں آگیا۔ ایسا محسوس ہوا کہ جیسے ایک بھاری بوجھ، ایک بھاری غم میرے سر سے اُتر گیا ہو۔ کتنی اچھی ہو تم! اتنا تڑپایا، اتنا رُلایا ہے تم نے ــــــ جی چاہتا ہے سزا کے طور تمہیں اگر چوم چوم لوں!

بھلا میری یہ جرأت ہو سکتی ہے، میرا دل گوارا کر سکتا ہے۔ اپنی محبوب کے مقدّس اور سفید دامن پر کوئی سیاہ دھبہ دیکھوں، جو اُس کے خاندان کے لئے باعثِ شرم ہو ــــــ! اور پھر یہ ہمارے معاشرے کے بھی تو منافی ہے تمہارے مطمئن رہنے کے لئے اتنا کہہ دینا ہی کافی ہے۔ تمہاری مرضی کے خلاف کوئی قدم نہ اُٹھے گا۔ لیکن میرے حضور ذرا اپنی غیرتِ نسوانی کو تو قابو میں رکھئے، ورنہ یہ کسی دن میرا دم نکال دے گی! مجھے اس کا اعتراف ہے تمہیں مجھ سے پیار ہے، لگاؤ ہے، عقیدت ہے ــــــ لیکن یہ بے رحمیاں اور بے دردیاں کس انتقام کا جذبہ ہیں؟ اگر تم نے انھیں نہ روکا تو میں دیوانہ ہو جاؤں گا!

تم نے جو والد صاحب سے خط و کتابت کا مشورہ دیا ہے وہ جائز اور حق بجانب ہے۔ حکم کی تعمیل کی کوشش کروں گا ــــــ میری بھی تو یہی خواہش تھی! کاش! ایک بار پہلے ہی ایک دوسرے سے ملاقات کی سبیل نکل آتی، تو کتنا اچھا ہوتا۔ تمنا تھی ایسا ہو جاتا تو والد صاحب کو لکھتا ــــــ کیا رائے ہے؟

دیکھو بھئی! ہماری محبّت کا جادو تمہارے سر پر سوار ہو یا نہ ہو، ہمارے سر پر ضرور تمہاری محبّت کا بھوت سوار ہے۔ اس لئے تمہاری ہر آرزو ہمارے لئے بندگی بن گئی ہے۔ پھر اُسے پوری نہ کرنے کی جسارت کہاں! آج کل عشق زیادہ ہی کرشمہ سازی دکھا رہا ہے، تبھی تو میرؔ اور غالبؔ جیسے غزل کے ناخداؤں کے سر ہو گئی ہو۔ لیکن غالبؔ تو خود عشق سے پریشان ہیں ــــــ ؎

عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش غالبؔ
جو لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بنے

اب غزل بھی وہ غزل نہیں رہی ہے یا سمینؔ! جو پہلے تھی۔ وہ زمانے کے ساتھ بدل گئی ہے، زمانہ بدلتا گیا ہے۔ تحریکیں بدلی ہیں، تہذیبی و معاشی حالات بدلے ہیں، تخلیقی اور صحافتی رجحان بدلے ہیں ــــــ افسانہ بدلا تو اُس میں علامت، ابہام اور ایسی پیچیدگیاں آگئیں کہ اُنھیں سمجھنا قاری کے لئے مشکل ہو گیا۔ سیدھا سادہ اسلوب فرسودہ اور پیچیدہ اسلوب ماڈرن ڈکشن (جدید اسلوب) خیال کیا جانے لگا۔ لیکن کیا ایسا ادب آفاقی ادب کہلانے کا مستحق ہے؟ اس سوال کا صحیح جواب نہ تو تم دے سکتی ہو، نہ میں! اس کا جواب تو مستقبل کا ادبی نظام ہی دے سکے گا۔ اس جدید ادب کے کئی روپ ہیں ــــــ کہیں شاعری آزاد غزل بنی، کہیں نثری غزل ہوئی اور کہیں قافیہ سے الگ غزل وجود میں آئی۔ وہ Sensibility کے لحاظ سے بہت موڑوں سے گذری ہے۔ حضرت امیر خسروؒ کے زمانے میں غزل کا آغاز و ابتدا نہ ہوئی تھی اور دکن میں محمد قلی قطب شاہ اور ولی نے اُردو میں اُس کی بنیاد ڈالی تو غزل "محبوب سے مخاطبت یا عشق و محبّت کی باتیں کرنے" کے رومانٹک معنی میں استعمال ہوتی تھی۔ جیسے تم اس وقت میرے لئے ہو۔ یہی مفہوم تھا اُس وقت اُس کا! ویسے خصوصی نوعیت سے غزل اُن اجزائے ترکیبی کا نام تھا اور ہے۔ جس میں محبّت کے سوز و گداز اور محبوب کے اوصاف کا زم اور شیریں الفاظ میں بیان ہو، جیسا میرے الفاظ میں تمہارے لئے ہوتا ہے۔ شوق و حسرت، رنج و غم، درد و الم، سوز و گداز، شیفتگی و فریفتگی کے سوا جسمانی اوصاف کا شوقیانہ بیان نہ ہو، لیکن وہ

کبھی اس مفہوم کی پابند نہیں رہی، اور درمیانی دور میں تو اس مفہوم کے معنی ہی بدل گئے ہیں۔ غزل نے ایک ایسی ارتقائی لسانی جدت و ندرت اختیار کر لی ہے جس میں شاعر اپنے خیالات و جذبات میں شاہد و شراب، رند و سرمستی اور عشق و محبت ہی نہیں، اپنے فکر و فن کے پیمانے میں مختلف کیف و سرمستی کی شراب چھلکتا ہوا دکھائی دینے لگا۔ جیسے مذہب و تصوف، ادب و اخلاق، پیری و شباب، دولت و افلاس، پند و موعظت، ریاضت و عبادت، غم و خوشی، موت و حیات جیسی بے شمار کیفیتیں صنفِ غزل میں شامل ہو گئیں۔ محبت کی ناکامیوں میں حزن و یاس کے بجائے نشاط و خوشی محسوس ہونے لگی۔ زندگی کی تلخیوں میں لذت، خزاں میں بہار اور تاریکی میں روشنی کے پرتو نظر آنے لگے!

اُردو شاعری میں یوں تو قصیدہ، مرثیہ، نظم، مثنوی، قطعہ، رُباعی، مثلث، ترکیب بند وغیرہ سب کو مقبولیت حاصل رہی ہے لیکن غزل کو ابتدا ہی سے فوقیت و اولیت اور ہر دلعزیزی حاصل ہے۔ اس لئے کہ اصنافِ سخن میں غزل شعور کے تاروں کو چھیڑنے والی وہ دلکش صنفِ سخن ہے جو احساس پر بوریت کے بجائے بیداری کا رنگ طاری کرتی ہے اور ایک سحر آفریں کیفیت پیدا کرتی ہے۔ اسی لئے غزل کو اُردو شاعری کی آبرو کہتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں، اُردو کی دلکش و دلآویز شاعری غزل ہی ہے۔ اُردو کے مایۂ ناز شعراء غزل گو شعراء رہے ہیں۔ تنگنائے غزل اب بہت وسیع ہے۔ اُس میں شعور زندگی کے مختلف پہلو نظر آتے ہیں۔ وہ رومان و رنگینی کی ترجمانی تک ہی محدود نہیں رہی۔ اُس میں فلسفہ و حکمت اور علم و دانش کے افکار بھی شامل ہیں۔

یہ غزل کی وسعت کا مظاہرہ، داخلی خاکہ تھا۔ اُس زمانے بھی سادگی سلاست کے ساتھ ابہام اور اشاریت کا رواج تھا۔ لیکن زمانہ گذرتا گیا۔ زبان، الفاظ اور محاوروں میں اصلاح و جدت ہوتی گئی، سلاست و واقعیت اور اثر و تاثیر بڑھتی گئی۔ ابہام گوئی میں کمی ہوئی اور غزل میں نزاکت، لطافت، ندرت اور لچک پیدا ہو گئی۔

جیسے غالبؔ کی مشہور غزل کے یہ دو شعر ہیں ؎

یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصالِ یار ہوتا ؎ اگر اور جیتے رہتے یہی انتظار ہوتا

کوئی میرے دل سے پوچھے ترے تیرِ نیم کش کو
یہ خلش کہاں سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتا

پہلے شعر میں ناخدائے سخن غالبؔ نے اپنی قسمت کی ناکامی کا گلہ کتنے خوبصورت، سلیس، لطیف انداز اور شیریں لہجے میں کیا ہے ـــــ ہماری قسمت میں وصلِ یار یعنی محبوب کی ملاقات سے لطف اندوز ہونا نہیں تھا۔ موت نہ آتی یعنی جیتے رہتے تو ہمیں وصلِ یار کا اور انتظار کرنا پڑتا، اس لئے بہتر یہی ہوا ہم مر گئے اور محبوب کی ملاقات کے انتظار سے نجات پا گئے۔

اسی طرح دوسرے شعر میں غالبؔ محبوب سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں ـــــ وہ تیرِ مژگاں جو تو نے کمالِ بے پروائی کے ساتھ اپنی آنکھوں کی نیم کش کمان سے میرے جگر پر مارا ہے اُس کی لذّت کی کیفیت میرے دل سے پوچھو! وہ جگر کے پار ہو جاتا تو میں لذّتِ خلش سے محروم رہ جاتا۔

غالبؔ کے متعلق مجھ جیسا نو مشق ادیب کیا لکھ سکتا ہے۔ لیکن تمہاری خواہش کو ٹھکرانے کی جسارت بھی تو نہ کر سکتا تھا ـــــ اور کوئی حکم ہو تو سر آنکھوں پر!

اس خط کو صبح آفس میں پورا نہ کر سکا تھا۔ اس لئے کہ رات کی تنہائیوں میں جب تمہارے تصوّر میں کھو جاتا ہوں تو ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے تم میرے سامنے ہو، اور میں تم سے باتیں کر رہا ہوں۔ خط لکھنے کی باتیں، پیار کی باتیں ـــــ کتنے قیمتی اور حسین ہوتے ہیں یہ لمحات! جبھی تو میں نے یہ خوبصورت راتیں تمہارے اور اپنے لئے وقف کر دی ہیں۔ دیکھو نا! سارا عالم سو رہا ہے اور میں.....؟ میں مسکراتے چاند کو تمہارے پیار کے میٹھے گیت سُنا رہا ہوں۔ کتنا خوش ہو رہا ہے وہ ہمارے پیار کے گیت سُن کر۔ ایسا لگ رہا ہے وہ بھی کسی سے پیار کرتا ہے۔ شاید وہ دودھیا چاندنی پر فریفتہ ہے جیسے خود سے دُور کرنا ہی نہیں چاہتا۔ کتنی والہانہ محبت ہے اُسے اپنی چاندنی سے ـــــ اُف! یہ دُوریاں!..... یہ عشق! اس کے ہاتھوں میرؔ بھی لُٹ چکے ہیں ؎

کیا کہوں تم سے کہ کیا ہے عشق؟ جان کا روگ ہے بلا ہے عشق

اپنی تازہ کتاب "موم کا پتھر" جو اُردو اکیڈمی لکھنؤ کے مالی تعاون سے منظرِ عام پر آئی ہے بھیج رہا ہوں۔ تمہاری رائے جاننے کا متمنّی ہوں۔ اس لئے کہ تمہاری رائے میرے قلم کی جان ہے۔ جواب کا انتظار رہے گا ـــــ تمہاری تصویر مل گئی ہے۔ بہت دیر تک سینے سے لگائے رہا۔ اور دل نے چاہا اُڑ کر تمہارے پاس آجاؤں! ـــــ اِس کم بخت زکام نے ابھی دوستی کر لی ہے۔ رقیب بن گیا ہے، تمہیں خط لکھنے کا موقع ہی نہیں دیتا۔ بار بار آکر تنگ کرتا ہے۔

صرف تمہارا:۔ انجم زیدی

زیدی نے خط کو لفافہ میں بند کر کے اُسے پیار بھری نظروں سے دیکھا۔ محبت سے چوما، سینے سے لگایا اور تکیے کے نیچے رکھ کر آپ ہی آپ مسکرا دیا ـــــ کیا پاگل ہو گیا ہے زیدی! جو اِس طرح بے جان لفافہ کو چوم رہا ہے، سینے سے لگا رہا ہے جیسے وہ یاسمین ہی ہو! تُو تو کبھی محبت کو دماغی بیماری، اعصابی تناؤ بتایا کرتا تھا۔ اب خود اُس بیماری میں کیوں مبتلا ہو گیا ہے؟ کہاں گئے تیرے وہ پُرزور دعوے؟ کہاں گئے وہ طنز؟ جو تُو محبت کے مارے ہوئے لوگوں پر کیا کرتا تھا؟ دھری کی دھری نہ رہ گئی ساری اکڑ؟ بغیر دیکھے، دُور ہی دُور سے یاسمین سے عشق کر بیٹھا!.....

اِس طرح کے طویل خیالات میں اُلجھے اُلجھے وہ سو گیا۔

صبح جب اُس کی آنکھ کھلی تو سورج مشرقی اُفق پر نکل چکا تھا۔ آہستہ آہستہ ہوا چل رہی تھی۔ وہ لیٹے لیٹے ہی گنگنا اٹھا ؎

لئے آتی ہیں اُن کی زُلفوں سے خوشبو
جب آتی ہیں اُن کی گلی سے ہوائیں

اور وہ جلدی سے اُٹھ کر کھڑا ہو گیا ـــــ نہا دھو کر ناشتہ کیا۔ اور کپڑے بدل کر آج جلدی ہی ڈسپنسری سے چھٹی کر کے آفس چلا گیا۔ اِس لئے کہ اُس کی لاپروائی سے دفتر کے بھی کام ادھورے پڑے تھے۔ بہت سے خطوط، مضمون، افسانے اور منظومات تو اُس نے کھول کر بھی نہ دیکھی تھیں۔ نہ کاتب کے پاس سے آئی ہوئی کاپیوں پر نظر ڈالی تھی۔ اور نہ تازہ شمارہ جو چھپا ہوا پڑا تھا اُس کی بائنڈنگ کی طرف توجہ کی تھی۔ اس کی لاپروائی سے دفتر کے اور

لوگ بھی لاپروا ہو گئے تھے۔ اور اس لاپروائی کی وجہ یاسمین کا عشق تھا۔ عشق نے اُسے غالبؔ کی طرح نکما بنا دیا تھا۔ وہ ذہنی طور پر مفلوج ہو گیا تھا۔ لیکن آج یاسمین ہی اُس کی ذہنی تحریک کا سبب بنی تھی۔ اُس نے آفس پہنچتے ہی پہلے کاپیاں دیکھ کر چھپنے کے لئے پریس بھیجیں۔ تازہ شمارے کی بائنڈنگ، ریپرنگ اور ٹکٹ لگا کر پوسٹ کرنے کی ہدایات دیں۔ اور خود اپنی میز پر آکر وہ خطوط اُٹھائے جو اُس ناول "موم کا پتھر" پر اہلِ فن حضرات نے خلوصِ دل، خلوصِ جذبات اور سچی رائے کے طور پر پسند اپنی اپنی، خیال اپنا اپنا کے تحت اُسے لکھے تھے۔ اُس کے ہاتھ میں جو خط تھا وہ کرامت علی کرامتؔ کا تھا۔ لکھا تھا۔

"موم کا پتھر" ایک علامتی ناول ہے۔ جس میں سمندر "وقت" ہے اور ناؤ "زندگی" شارک "حادثات روزگار ہیں۔ ہم سفر حسینہ "زندہ حقائق" کی علامت ہے۔ طوفانِ حوادث میں ان حقائق کی صورت اِس قدر مسخ ہو جاتی ہے کہ پہچانا نہیں جاتا۔ آپ کے اِس ناول کی مشابہت آرنسٹ ہمنگوے Real Mans the Sea سے پائی جاتی ہے۔ آپ نے جس انداز سے مایوسی اور درد و کرب کی عکاسی کی ہے وہ آرنسٹ ہمنگوے سے کسی حد تک کم نہیں۔

میرے زیرِ نگرانی، سید افتخار احمد آزادؔ شعبۂ اُردو راونشا کالج، کٹک، آرنسٹ ہمنگوے کے اثرات پر تحقیقی مقالہ لکھ رہے ہیں۔ موصوف اپنے مقالے میں آپ کے اِس ناول کا تفصیلی ذکر کریں گے۔

مخلص:۔ کرامت علی کرامتؔ

دوسرا خط جو اُس نے دیکھا وہ علی جوادؔ زیدی کا تھا۔ لکھا تھا۔

"موم کا پتھر" آپکی اُس اصلاح پسندی کی نمائندگی کرتا ہے جو انسانی زندگی کے طوفان کا مقابلہ مردانگی کے ساتھ کرنا چاہتی ہے۔ سیدھے سادے واقعات اور عام کرداروں سے جو فضا تیار ہوئی ہے اُس سے لکھنے والے کے خلوصِ فکر کا اظہار ہوتا ہے۔ آپ جس رفتار سے لکھ رہے ہیں اور آپ میں جو اُپج اور قلم میں جو صلاحیت ہے وہ آپ سے خوب سے خوب تر کی طالب ہے اور مجھے یقین ہے ہمارے ادب میں مفید اضافے کرتے رہیں گے۔

آپ کا:۔ علی جوادؔ زیدی (لکھنؤ)

اب اشک اگر اُمڈتے ہیں تو رُکتے ہی نہیں
حوصلہ آپ کے دامن نے بڑھایا تھا کبھی
پھیر لیں آپ نے ہی نگاہیں ورنہ
ہر طرح مجھ کو غمِ زیست گوارا تھا کبھی

ایڈیٹر ڈاکٹر انجم زیدی "گلفشاں" کے آفس میں بیٹھا گنگنا رہا تھا۔ کئی روز کی آئی ہوئی ڈاک اُس کے سامنے میز پر پڑی ہوئی تھی۔ اوپر ہی مس یاسمین کا لفافہ اُس کی توجہ اپنی طرف مبذول کرا رہا تھا۔ یاسمین کو وہ ہفتہ بھر پہلے تصویر اور بلاک خرچ کے لئے لکھ چکا تھا۔ اُس نے لفافہ کھول کر پڑھا۔

محترمی ایڈیٹر صاحب! خلوص و محبت

آپ کا نوازش ملا ـــــ شکریہ! عنقریب تعارف اور بلاک خرچ ارسال

زیدی نے خط لکھ کر جلدی سے لفافہ میں بند کیا اور پوسٹ کرنے کے لئے بھیج دیا۔ جس سے آج ہی کی ڈاک میں نکل جائے ـــــ ابھی وہ سیدھا ہو کر بیٹھا ہی تھا، پوسٹ مین نے آکر یاسمین کا ایک اور نیلا لفافہ اُس کے آگے ڈال دیا۔ وہ دھڑکتے دل اور سہمے جذبات سے لفافہ کھول کر پڑھنے لگا ـــــ

میری زندگی کی خوشبو! پیار و محبت

آپ کے خط کا طویل جواب کل بھیج چکی ہوں۔ آج آپ کی کتاب اور اپنے دل کی کیفیت کے متعلق لکھ رہی ہوں۔ شاید آپ کو مجھ محبت کی ناری پر ترس آجائے اور اپنی دید سے میری ترستی ہوئی آنکھوں کی پیاس بجھا دیں۔ بڑی بے قراری ہے، بہت اضطراب ہے آپ سے ملنے کا! اِس بڑھتی ہوئی بیقراری اور مچلتے ہوئے اضطراب سے ڈر لگ رہا ہے ؎

کہیں اغیار بھی اس راز سے واقف نہ ہو جائیں
وہ پڑھتے ہیں میرے دل کی کتاب آہستہ آہستہ

اب عرضِ حال یہ ہے۔ صبر نہیں ہوتا۔ میں یہاں لکھنؤ میں اپنے کالج کی فیلڈ میں آپ سے ملنا چاہتی ہوں۔ یہ میری حسرت ہے، میری تمنا ہے، آپ بتائیے تو یہ ملاقات کب ہو گی؟ اِس کی نسبت میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔ اس لئے کہ میرا پی ایچ ڈی کا مقالہ اور سپروائزر کی ٹریننگ بھی جولائی میں ختم ہو رہی ہے اور میں جولائی ہی میں گھر چلی جاؤں گی۔ فاصلے بڑھ جائیں گے۔ اُس کے بعد ملاقات کس طرح ہو گی؟ اِسے مستقبل بتائے گا۔ یہاں ملنے میں بیڈ امپریشن کی گنجائش نہیں ہے ـــــ آئیں گے نا! انتظار کروں گی۔

آپ نے ناول "موم کا پتھر" کے آخری صفحات پر جو "حرفِ آخر" تحریر فرمایا ہے۔ اُس میں آپ کے جذبات و احساسات پڑھ کر دل بے حد اُداس ہو گیا۔ کاش!.....

خدا آپ کو دن دونی رات چوگنی ترقیوں سے نوازے۔ آپ ادب کے اُفق پر چاند ستاروں کی ضو بن کر مُسکرائیں۔ میری یہی آرزو ہے۔ اِس کتاب کو پڑھ کر میں کتنی خوش ہوئی ہوں، یہ کیا بتاؤں، میرے پاس الفاظ

نہیں ہیں جو میں آپ کے اندازِ بیان، سلاست، ندرت، جدّت اور حسین لفظوں کو موتیوں کی طرح پرونے پر آپ کو مبارک باد کے طور پر لکھوں۔ آپ کی اس تحریر ہی کا تو جادو ہے میں آپ کو بے اختیار چاہنے لگی ہوں۔ آپ کی اس تحریر کی کشش نے مجھے آپ کا پرستار بنا دیا ہے۔ میں ایک علم و ہنر کی متمنّی طالبہ آپ کے اتنے دلکش ناول پر کیا لکھنے کی جرأت کر سکتی ہوں جبکہ ہیڈ آف دی اُردو ڈپارٹمنٹ جموں یونیورسٹی کے مایۂ ناز شاعر اور ادیب تجگن ناتھ آزاد جیسے قلمکار کے تاثرات ہیں ـــــ یہ ایک اصلاحی ناول ہے اور اُس ادب کی نمائندگی کرتا ہے جسے ہمیں مقصدی ادب کہنے میں کوئی عار نہ ہونا چاہئے۔ یہ مقصدی ادب ہی ہے جسے اقبالؔ اور پریم چند نے بامِ عروج پر پہنچایا۔ اور اِس روایت کو آگے بڑھانے والوں میں "موم کا پتھر" کے مصنف کا نام ایک اہمیت رکھتا ہے۔

ڈاکٹر امیر اللہ خاں شاہین صدر شعبۂ اُردو میرٹھ یونیورسٹی فرماتے ہیں ـــــ اُردو میں اصلاحی ناولوں کی ایک درخشاں روایت موجود ہے۔ مولوی نذیر احمد سے علامہ راشد الخیری تک، منشی پریم چند سے راجندر سنگھ بیدی تک۔ اور اُن سے "موم کا پتھر" کے مصنف تک جو اصلاحی ناول معرضِ وجود میں آئے یا آ رہے ہیں اُن میں جذبۂ اصلاح قدر اوّل کی چیز ہے۔ یہ دوسری بات ہے اُن تمام فنکاروں کے یہاں اصلاح کا تصور الگ الگ ہے۔ "موم کا پتھر" کے مصنف کا تعلق اسی نسل سے جو پریم چند کے بعد اپنا ایک اصلاحی مشن اور منصوبہ رکھتی ہے۔ مگر جو اصلاح کو کسی مخصوص اور محدود گھروندے اور بسم اللہ کے گنبد (WORRY TOWER) میں بند نہیں کرتی۔ وہ اپنے قصّہ کا مواد جیتے جاگتے، چلتے پھرتے انسانوں سے لیتے ہیں۔ اسی لئے اُن کے یہاں اساطیری (Legends) اور آسیبی کردار اور زبان و بیان مصنوعی اور نمائشی نہیں، اُن کے اس ناول کے بنیادی کردار خانؔ، خالدؔ، یا شاہدؔ، لیلیٰؔ اور سائرہؔ ہیں۔ ناول کی پوری کہانی انھیں کے گرد گھومتی ہے۔ یہ ناول صنعتی اور سائنسی دَور کی پیچیدگیوں کا عکاس ہے۔

ناول کے مرکزی مردانہ کردار کی پامردی اور بلند حوصلگی کا آئینہ دار ہے۔ جس کی کشتیٔ حیات طوفانی

موجوں کے رحم وکرم پر بہہ رہی ہے جو ماہ و سال کی بندش سے آزاد ہے۔ وہ حوصلہ ہارتا ہی ہے کہ ایک معجزاتی واقعہ سے اُسے ایک حسین ہم سفر نصیب ہو جاتی ہے۔ دونوں ایک دوسرے پر فریفتہ ہو جاتے ہیں۔ لیکن نہ ختم ہونے والا بحری سفر دونوں کے جذبات میں ٹھہراؤ بھی پیدا کر دیتا ہے۔ کبھی کبھی مچلتے جذبات آمادۂ گناہ بھی کرتے ہیں۔ لیکن دونوں میں سے کوئی بھی پھسلتا نہیں۔

اس ناول کا وصفِ خاص اِس کی وہ دلچسپی ہے جو شروع سے آخر تک موجود رہتی ہے۔ ایسی دلچسپی جو نذیر احمد کے تزکیۂ نفس اور پریم چند کی تذکیر کو قابلِ مطالعہ بنا دیتی ہے۔

دیریندر پرشاد سکسینہ ممبر اتر پردیش اُردو اکادمی اظہار فرماتے ہیں ــــــ اس سے پہلے کہ میں "موم کا پتھر" کے مصنف کی نسبت کچھ کہوں۔ یہ کہہ دینا ضرور سمجھتا ہوں۔ اگر نہ کہوں گا تو ناانصافی ہوگی کہ مصنف حضرت فانی بدایونی، منشی نرائن پرشاد فہر، مولوی انوار حسین تسلیم سہسوانی، ڈاکٹر منور سہائے انور اور شکیل بدایونی جیسے یکتائے فن اور ناخدائے سخن مرزا اسد اللہ خاں غالب، نواب مرزا خاں داغ اور مولانا الطاف حسین حالی کے تلامذہ کی سرزمین کے ادیب ہیں۔ اُنھوں نے ناول میں حوصلے، ہمت، لگن کے جو رنگا رنگ مناظر بکھیرے ہیں وہ معاشرے کی اصلاح و ترمیم کے لئے کار آمد چیزیں ہیں۔ اِسی طرح کئی جگہ بہک کر سنورنے کے مواقع بھی خوب اور قابلِ داد ہیں۔ آگ اور پھونس اکٹھا ہو کر بھڑکنا لازمی عمل ہے لیکن مصنف نے اِس عمل کو بھڑکنے سے جس خوبصورتی کے ساتھ بچایا ہے وہ قابلِ داد و تحسین ہے۔ یہیں فن کی معراج ہوتی ہے۔ یہاں کمالِ فن کا مظاہرہ نہ کیا جاتا تو ناول کے نقش و نگار بے رنگ ہو کر رہ جاتے اور جس تصدق کا خاکہ بنا تھا وہ مٹ جاتا!

اِن حضرات نے "موم کا پتھر" کے بارے میں اتنا لکھ دیا ہے کہ میں کچھ نہیں لکھ پا رہی ہوں۔ مجھے اِس ناول کی تعریف کے لئے خوبصورت الفاظ نہیں مل پا رہے ہیں اس لئے آگے کچھ نہ لکھ سکوں گی۔ اب تو آپ کی آمد کے انتظار میں آنکھیں فرشِ راہ ہیں۔ ہو سکے تو چلے آئیے گا۔ تیس جون سے تین جولائی تک راہ دیکھوں گی۔

سراپا انتظار:۔ آپ کی یاسمین ضیاؔر

انجم زیدی نے خط پڑھنے کے بعد گھڑی دیکھی۔ پانچ بج چکے تھے۔ پھر سامنے چپراسی کی طرف دیکھا۔ وہ اس کے اُٹھنے کا انتظار کر رہا تھا۔ اِس لئے کہ کاتب اور منشی جا چکے تھے۔ وہ بھی آفس بند کر کے جانے کے لئے سوچ رہا تھا۔ لیکن زیدی کا انہماک دیکھ کر خاموش کرسی پر بیٹھا تھا۔ زیدی نے سوچ کر کہ اس خط کا جواب رات کو گھر لکھے گا۔ جلدی سے یاسمین کا خط تہہ کر کے اپنے پیڈ میں رکھ لیا۔ اور آفس سے نکل کر ٹہلتا ہوا آہستہ آہستہ قدموں سے گھر کی طرف چل دیا۔

گھر ڈرائنگ روم میں صوفہ پر بیٹھی سلمہ کوئی خط پڑھ رہی تھی۔ زیدی کو دیکھ کر وہ مُسکرائی۔ وہ بھی مُسکرا دیا۔ اور پیڈ میز پر رکھ کر اُس کے قریب بیٹھ گیا۔ اِس سے پہلے وہ اُس سے کچھ پوچھتا اُس نے ہاتھ بڑھا کر پیڈ کے اندر سے یاسمین کا جھانکتا ہوا لفافہ نکال لیا۔ اور پڑھ کر خاموشی کے ساتھ رکھ دیا۔ زیدی نے اُس کے چہرے کو دیکھ کر اُس کے تاثرات کو بھانپنا چاہا۔ لیکن وہاں ہلکی سی مُسکراہٹ کے سوا کچھ نہ تھا۔ اِسی ہلکی سی مُسکراہٹ کے درمیان اُس نے کھانا کھانے کے لئے کہا۔ زیدی نے "ابھی نہیں" کہہ کر سر ہلا دیا۔ اور یاسمین کا خط ہاتھ میں تھام کر سوچ میں پڑ گیا۔ اُسے اپنے اندر عجیب سے تغیر کا احساس ہوا۔ اللہ! مجھے کیا ہو گیا ہے جو یاسمین کو اندر ہی اندر پوجنے لگا ہوں؟ اور..... اور وہ مجھے اتنی ٹوٹ کر کیوں چاہنے لگی ہے؟ میں کیا لکھوں اپنے آپ کو اُس کے پاس پہنچنے کے بارے میں؟ میرا تو دماغ کام نہیں کر رہا ہے۔ اُس کی حسرت بھری تمنا کو کیسے ٹھکراؤں؟ وہ مضطرب سا کمرے کے لان میں ٹہلنے لگا۔ سلمہ، یاسمین اور اپنے بارے میں سوچتے ہوئے یکایک اُسکی نظریں سامنے بیڈ کی طرف چلی گئیں۔ سلمہ اُسے بے چینی کے عالم میں ٹہلتا دیکھ کر چُپ چاپ لیٹ گئی تھی اور اُسے نیند آ گئی تھی۔ اُس کے چہرے کی معصومیت سے پھولوں کا تقدس جھلک رہا تھا۔ اور کالے کالے بال گھٹاؤں کی طرح تکیے پر بکھر گئے تھے۔ اُس کی پیشانی پر طمانیت کے آثار چھائے ہوئے تھے۔ زیدی تڑپ اٹھا اور فرطِ عقیدت سے سلمہ کی پیشانی کو چوم لیا۔ اور آنکھیں بند کر کے لیٹ گیا۔

صبح جب زیدی کی آنکھ کھلی تو اُسے اپنا ذہن اور جسم ہلکا سا محسوس ہوا ـــــ سامنے باتھ روم سے سلمہ

مُسکراتی ہوئی نکل رہی تھی۔ زیدی کو اُس کی مُسکراہٹ کچھ اچھی نہ معلوم ہوئی۔ اُس کے ذہن میں اب بھی یاسمین کے پیار کا بوجھ اُسی طرح بنا ہوا تھا۔ وہ اُٹھا اور میز پر جا کر یاسمین کو خط لکھنے لگا۔

ڈیئر یاسمین! خلوصِ بیکراں

تمہارا محبت سے لبریز خط ملا۔ بے حد خوشی ہوئی۔ لکھنؤ جیسے شعر و ادب اور حسن و نزاکت کے مخزن اور حُسن و رعنائی کے شہر میں بُلانا چاہتی ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو میں اِس دلکش شہر کی حسین شاموں میں کھو جاؤں اور تم مجھے ڈھونڈتی ہی پھرو! بھٹکتی ہوئی تتلی کی طرح! یہ میری خوش قسمتی نہیں تو اور کیا ہے تم مجھ جیسے ناچیز سے ملنے کے لئے بے قرار ہو۔ ایک مدّت گذر گئی ہے مجھے تمہیں وعدوں پر ٹالتے ہوئے۔ اب ہمّت نہیں ہو رہی ہے۔ اور ٹالوں! اِس لئے مجھے بھی تم سے ملنے کی حسرت ہے۔ یہ حسرت کب پوری ہوگی؟ وقت کا تعیّن کیسے کروں؟ تم نے اپنے خط میں یہ تو لکھا ہی نہیں میں لکھنؤ پہنچ کر تم تک کیسے پہنچوں؟ بس سے؟ کہاں سے ملے گی وہ؟ ـــــ زندگی نے وفا کی تو تمہارا جواب آنے کے دوسرے دن تمہاری دید سے اپنی ترستی ہوئی آنکھوں کی پیاس بُجھانے چلا آؤں گا۔ اور تم نے یہ کیا لکھ دیا فاصلے بڑھ جائیں گے۔ اِس سے کیا ہوتا ہے۔ ایسی بے رُخی کس کام کی ؎

دل کے رشتے فنا نہیں ہوتے ٭ فاصلے لاکھ درمیاں سہی

خدا کرے بخیر ہو۔ جواب کا کچھ زیادہ ہی بے چینی سے انتظار کروں گا۔ خلوص کیش:۔

انجم زیدی

خط لفافہ میں بند کر کے انجم زیدی ناشتے کی میز پر بیٹھ گیا۔ اور جلدی جلدی ناشتہ کر رہا تھا کہ سلمہ نے کارنر سے یاسمین کا خط جو اُس نے سلمہ کو لکھا تھا اٹھا کر اُس کی نظروں کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

"ہمارے خط کا جواب بھی لکھ دیجئے نا!"

"تمہیں کیا ہو گیا؟" زیدی نے خط کھولتے ہوئے پوچھا۔

"دلکش جملے نہیں لکھ پاتی ہوں۔ جیسے آپ لکھتے ہیں۔" سلمہ نے اداسی سے جواب دیا۔

"اوہ! یہ بات ہے ـــــ ضرور لکھیں گے۔ لیکن اس سے پہلے تو محترمہ نے کبھی کسی خط کا جواب لکھنے کی فرمائش نہیں کی۔ جیسا کہ یاسمین کے اِس خط سے پتہ چل رہا ہے۔ آپ کی خط و کتابت پُرانی ہے۔ دیکھو یہ لکھا ہے نا!

محترمہ بہن صاحبہ! آداب و نیاز

نوازش نامہ ملا ـــــ شکریہ! حالات معلوم ہوئے۔ جی ہاں دل کو دل سے راحت ہوتی ہے۔ آپ مجھے یاد کرتی ہیں، اسی لئے یاد آتی بھی ہیں۔ اور اس قدر محبت! چند ہی خطوط میں؟ دونوں بہنوں کا ایک ہی حال ہے!

آپ نے دل چُرانے کے متعلق لکھا ہے۔ یہ سچ ہے ہم دل چُرانا تو چاہتے تھے لیکن بہن نے اتنی آسانی سے پیش کر دیا کہ آپ کی شرافت پر نہیں، آپ کی بے بسی پر ترس آگیا ـــــ لیجئے! ہم اِسے دوسرے کی امانت خیال کر کے واپس کئے دیتے ہیں ـــــ سنبھالئے جناب! آہستہ سے! شیشے کا جو ہوتا ہے جس میں چار چیمبر ہوتے ہیں، بس ایک چیمبر مجھے عنایت کر دیجئے! ہم اِسے ہی اپنی خوش قسمتی سمجھ کر قناعت کر لیں گے ـــــ ویسے دل تو یہی چاہتا ہے اپنے دل کے بدلے آپ کا دل چُرا لوں! ـــــ رُخصت ہونے سے پہلے ایک شعر سُنانے کو دل چاہ رہا ہے ؎

یاد میں تیری جہاں کو بھولتا جاتا ہوں میں
بھولنے والے کبھی تجھ کو بھی یاد آتا ہوں میں

آپ کی بہن یاسمین ضیاء

"اس کا مطلب یہ ہوا آپ ہماری مدد نہیں کریں گے! شاید اِس لئے ہم نے آپ سے اپنی بہن کے اور خطوط کا ذکر نہیں کیا ـــــ کوئی بات نہیں، اب آپ ناچیز کا جواب ملاحظہ فرما لیجئے۔ ہم نے کیا لکھا ہے اپنی

میں ؟ ـــــ محسوس کروں گا، زندگی جسے کہتے ہیں شاید یہ وہی قیمتی چیز ہے، جسے قدرت نے مجھے نوازا ہے۔ کتنا خوش نصیب ہوں میں۔ میرے دل کی آرزو پوری ہو جائے گی ـــ ایک دیرینہ تمنا! ایک دیرینہ خواب پورا ہو جائے گا!

ساری رات وہ انھیں خیالات میں کھویا رہا۔ جب اُس نے گھڑی دیکھی چھ بجے تھے۔ ابھی اُس کے لئے دو گھنٹے کا سفر اور باقی تھا۔ اُس نے کمپارٹمینٹ کا جائزہ لیا۔ صرف دو پسنجر رہ گئے تھے۔ باقی جن کی منزل آ گئی تھی وہ راستے کے چھوٹے بڑے اسٹیشنوں پر اُترتے گئے تھے۔ وہ نیچے سے اوپر والی برتھ پر آ کر آرام سے لیٹ گیا۔ وہ ان دو گھنٹوں میں آرام کرنا چاہتا تھا۔ جس سے اُس کا بوجھل جسم ہلکا اور دماغ تازہ ہو جائے۔ اُس نے ٹرین کی چھت سے لگے ہوئے ناچتے فین کے رُخ کو اپنی طرف موڑ لیا۔ اور اپنے چہرے پر رومال ڈال کر سو گیا!

صبح سوتے سوتے جب اُس کی آنکھ کھلی تو سورج کی سنہری کرنیں سفید ہو گئی تھیں۔ ٹرین چارباغ لکھنؤ ریلوے اسٹیشن کے پلیٹ فارم پر کھڑی سیٹی دے رہی تھی، وہ گھبرا کر اُٹھ بیٹھا۔ چاروں طرف نظر ڈالی ـــ کمپارٹمینٹ خالی تھا اور اُس کی اٹیچی کے ساتھ اُس کا ہولڈ بھی غائب تھا۔ حیرت سے اُس کی آنکھیں کھلی رہ گئیں۔ وہ کبھی کمپارٹمینٹ اور کبھی پلیٹ فارم پر آتے جاتے ہوئے لوگوں کو مسکین بنا دیکھ رہا تھا۔ اُس کی حالت ہارے ہوئے جواری کی طرح ہو رہی تھی۔ وہ بار بار اُن ظالم آنکھوں کو کوس رہا تھا جنھوں نے اُس کی اٹیچی غائب کر کے اُس کے ارمانوں کو لہولہان کر دیا تھا۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا وہ اب کیا کرے؟ کیسے جائے یا کس کے پاس؟ یہ سوچتے ہوئے وہ بھاری بھاری قدموں سے ٹرین سے اُترا اور گیٹ پر ٹکٹ دے کر باہر نکل گیا۔ بغیر جوتے کے قمیص پینٹ پہنے اُس کا حلیہ عجیب سا لگ رہا تھا۔ بہت سے لوگ اُسے دیکھ رہے تھے اور بہت سے نظر انداز کر رہے تھے۔ اُن کی نظروں سے بیحد شرم محسوس ہو رہی تھی۔ وہ جلدی سے امین آباد کے لئے رکشا میں بیٹھ گیا۔

امین آباد پہنچ کر اُس نے ایک باٹا شو اسٹور کے سامنے رکشا رُکوا دیا اور اُسے پیسے دینے کے بعد خود باٹا شو اسٹور میں داخل ہو گیا۔ وہ تو اچھا ہوا اُس نے ٹکٹ خریدتے وقت اٹیچی میں رکھے ہزار روپے میں سے ڈیڑھ سو روپے نکال

کر جیب میں ڈال لئے تھے۔ ورنہ یاسمین کے پاس تک پہنچنا ایک مسئلہ بن جاتا۔ اُس نے چالیس رُوپے میں ایک خوبصورت سی چپل خریدکر پہنی، اور آگے بڑھ کر ایک شوروم سے پینتالیس رُوپے کی ایک اٹیچی بھی لے لی۔ کیا کیا خریدنا اتنے سے رُوپوں میں؟ اُس کی ٹائی، تولیہ، کنگا، بریل کریم اور یاسمین کے لئے سلمہ کا تحفہ تیل اور عطر، سبھی تو اٹیچی میں تھے۔ اُس نے کچھ سوچ کر سامنے چوراہے پر اصغر علی پرفیومرس سے بیس رُوپے کا تیل اور عطر خرید کر اٹیچی میں رکھ لیا۔ تاکہ سلمہ کے تحفے کے بدلے یاسمین کو پیش کر سکے۔ وہ ابھی اٹیچی میں یہ سامان رکھ کر آگے بڑھا ہی تھا کہ سامنے پکنک اسٹاپ کے لئے بس بجائے حضرت گنج کے امین آباد سے ہی مل گئی۔

وہ بس میں بیٹھ گیا۔ لیکن بہت اُداس تھا وہ! اٹیچی کی چوری نے بجھا دیا تھا اُسے! وہ سوچ رہا تھا اِن میلے کپڑوں میں یاسمین کے پاس جائے گا تو وہ کیا سمجھے گی؟ یہی کہ اُس کا محبوب فنکار جس کے احساسات و جذبات کو وہ قریب سے پڑھنا چاہتی تھی، یہی خستہ حال آدمی ہے؟ کم از کم ٹائی ہی خرید لیتا۔ لیکن اُس کے پاس بچے ہوئے پینتالیس رُوپے اتنے کم تھے وہ پندرہ رُوپے کی ٹائی بھی نہ خرید سکتا تھا۔ کچھ کھا سکتا تھا نہ پی سکتا تھا، بس یاسمین سے مل کر واپس لوٹ سکتا تھا۔ اور پھر اِن کپڑوں پر ٹائی کیا جمے گی؟ یہ سوچ کر وہ اور مغموم ہو گیا۔ اُس نے کئی بار ارادہ کیا وہ یاسمین سے بغیر ملے لوٹ جائے۔ لیکن اُس سے ایک طویل مدّت سے ملنے کی تمنّا جواب تک صرف وعدوں پر ٹلتی آرہی تھی۔ اِسی حالت میں اُس سے ملنا مناسب سمجھا۔ اس کے سوا کر بھی کیا سکتا تھا وہ!

بس، چلتے چلتے اچانک پُلیا پر رُک گئی۔ وہ خیالات سے چونک گیا۔ اور آہستہ سے اُتر آیا۔ چند منٹ کھڑے ہو کر اُس نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں اور پھر بجھے بجھے قدموں سے اُس طرف چل دیا جہاں اُس کی منزل تھی۔ کچھ دُور چل کر اُس نے اپنے چہرے پر بہتے ہوئے پسینے کے قطروں کو رومال سے پونچھا۔ اور وہی رومال جون کی تیز دھوپ اور لُو سے سر کو بچانے کے لئے سر پر ڈال لیا۔

چلتے چلتے اُس نے اپنے گرد و پیش کا جائزہ لیا۔ سڑک کے مغرب اور مشرق میں جدید ڈزائن پر مشتمل جدید عمارتوں کی تعمیر چل رہی تھی۔ ہر طرف ہریالی اور سبزہ بکھرا ہوا تھا۔ یوکلپٹس، ساگون اور نہ جانے کس کس قسم کے

درختوں کی قطاریں دُور تک چلی گئی تھیں۔ جن کی مُسکراہٹ دھوپ کی تمازت نے چھین لی تھی۔ سامنے سڑک کے مغرب میں وہ جگہ نظر آرہی تھی جہاں ہوسٹل میں یاسمین رہتی تھی۔ گیٹ پر پہنچ کر اُس نے اپنی اٹیچی نیچے رکھ دی اور ایک بار پھر اپنے مُنہ پر بہتے ہوئے پسینے کو پونچھا۔ اور گیٹ کا پھاٹک بند کرتی ہوئی عورت سے پوچھا ــــ "کیا یاسمین ہیں؟"

"ہاں! ــــ کہاں سے آئے ہیں آپ! گورکھپور سے؟" عورت نے اُس کی طرف دیکھ کر کہا۔

"جی نہیں بدایوں سے!" اُس نے سچ کہہ دیا۔

عورت نے سامنے سے آتی ہوئی لڑکی کو آواز دے کر اُس کی طرف مخاطب کر دیا۔ اُس لڑکی نے مُسکراتے ہوئے اُسے آداب کہا۔ اُس کے بعد چاروں طرف کھنچے ہوئے تار کے نیچے جُھک کر اندر آنے کو کہا۔ جب وہ تار کے نیچے جُھک رہا تھا تو بے اختیار اُس کے مُنہ سے نکل گیا ؎

قدم قدم اُلجھنیں نفس نفس زحمتیں

اُس کے اندر پہنچنے کے بعد، چلتے ہوئے لڑکی نے اُس سے کہا ــــ "کون ہیں آپ کی یاسمین؟"

"ریٹڈ!" اُس نے آہستہ سے کہا۔

"وہ آپ کی ریٹڈ ہیں؟" لڑکی نے حیرت سے اُسے دیکھ کر پوچھا۔

"جی ہاں! دل کے قریب رہنے والی ریٹڈ!" اُس نے دھڑکتے دل سے دبی دبی زبان سے کہا۔

لڑکی نے حیران کُن انداز میں مُسکرا کر پیچھے مُڑ کر دیکھا اور سامنے ویٹنگ روم میں بچھی ہوئی کرسی کی طرف بیٹھنے کا اشارہ کر کے بولی ــــ "تشریف رکھیئے! ابھی آتی ہیں یاسمین۔"

وہ اٹیچی رکھ کر بیٹھ گیا۔ لڑکی بھی اُس کی سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئی۔ لیکن ایک دو منٹ بیٹھنے کے بعد وہ کھڑی ہو گئی ــــ "پانی لے آؤں آپ کے لئے گرمی ہے نا!"

اُس کے جانے کے بعد اُس نے چاروں طرف نظر ڈالی۔ کافی ہوادار اور سرسبز جگہ تھی۔ لیکن صرف

صبح شام لے لئے! باقی وقت میں وہ لُو اور دھوپ کی شدّت سے تپتا ہوا صحرا تھا۔ اسی صحرا میں ملنے آیا تھا وہ یاسمین سے!.....

"لیجئے!" لڑکی نے پانی کا گلاس اُس کی طرف بڑھا کر اُس کے خیالات کو منتشر کر دیا۔ اُس نے گلاس ایک ہی سانس میں ختم کر کے کہا ـــــ "شکریہ!"

"اور لاؤں!" لڑکی نے پوچھا۔

"بس! بہت بہت شکریہ!" اُس نے ممنون نظروں سے اُس کی طرف دیکھا۔ تو وہ جلدی سے بولی ـــــ "لیجئے وہ آگئیں یاسمین جی۔"

سامنے یاسمین کو نظریں جھکائے آتی دیکھ کر خوشی سے اُس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ اُسے ایسا محسوس ہوا وہ خواب دیکھ رہا ہے۔ اور اسی حالت میں جب یاسمین اُس کے قریب آگئی تو وہ کھڑا ہو گیا۔ لمحہ بھر کے لئے اُسے احساس ہوا اُس کی قسمت بہت حسین ہے اس لئے کہ یہ ملاقات ایک یادگار ملاقات کی حیثیت اختیار کر چکی تھی۔ وہ بے حد پریشانیوں اور کلفتوں سے یہاں تک پہنچا تھا.....

"تسلیم عرض ہے!" یاسمین نے اُس کے سامنے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"تسلیم!" اُس نے بھی جواب میں مُسکرا کر کہا ـــــ "کیسی ہیں؟"

"ٹھیک ہوں ـــــ دعائیں آپ کی ـــــ گھر سب لوگ کیسے ہیں؟"

"سب خیریت سے ہیں ـــــ خیریت سے نہ ہوتے تو یہاں کیوں ہوتے۔" اُس نے یاسمین کی آنکھوں میں جھانک کر دیکھا۔

یاسمین مُسکرا دی ـــــ "کیسی لگی یہ ملاقات؟"

"تم بتاؤ؟" اُس نے اُس سے پوچھا۔

"میں؟ ـــــ مجھے تو بہت خوشی ہوئی آپ سے مل کر!" اُس نے سنجیدگی سے کہا۔